ابوبکر صدیق کی زندگی

Shaykh Pod BOOKS

Shaykh Pod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2024 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی

دوسرا ایڈیشن۔ 17 مارچ 2023۔

کاپی رائٹ ©2024 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

[فہرست کا خانہ](#)

[اعترافات](#)

[مرتب کرنے والے کے نوٹس](#)

[تعارف](#)

[حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی](#)

[اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی](#)

[ایک ایماندار تاجر](#)

[عمدہ کردار](#)

[ذہانت](#)

[فضول باتوں سے بچنا](#)

[اندھی تقلید سے بچنا](#)

[خواہشات کی عبادت کرنا](#)

[ظلم سے بچنا](#)

[سچائی کی تلاش](#)

[حق کو قبول کرنا](#)

[اچھی صحبت](#)

[اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی](#)

[دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا](#)

[اسلام کی عوامی دعوت](#)

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص](#)

[بہادری](#)

کمزوروں کی مدد کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اخلاص

غریبوں کا ساتھ دینا

باندھتے ہیں جو باندھتے ہیں۔

دوسروں کو تسلی دینا

پہلی ہجرت

خدائی حفاظت

سچ کا چیمپئن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت

اللہ پر بھروسہ رکھیں

سچا پیار

بہترین ساتھی

حق پر قائم رہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

ایک خوبصورت میراث

دنیا کے بہترین مقامات

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

اسٹینڈنگ فرم

ہمت

سچی امید

حقیقی محبت

ایک مہربان عمل

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشکلات میں اطاعت

بات چیت کا احترام کرنا

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بدلہ لینا چھوڑنا

دوسری بدر

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ایک ایگزٹ

غداری

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بہتان

چیزوں کو جانے دینا

درست طریقے سے ترجیح دینا

فخر سے آزاد

تعلقات کو درست کرنا

اعمال کے نتائج

مبارک اعمال

آسمانی تالاب

اللہ کے لیے محبت

دولت کمانے کی اہمیت

معاہدہ حدیبیہ

آگے کو دبانا

ایمان میں متحد

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

جب شک ہو تو ثابت قدم رہنا

ایک واضح فتح

شیطانی سازشیں ناکام

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

مشورہ قبول کرنا

شہرت کی تلاش

قائدین سے اخلاص

دورہ)عمرہ(

کمزوری کے بغیر عاجزی

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

کامل ایمان

نجی گفتگو

چیزوں کو آسان بنائیں

حنین کی جنگ

مشکل میں ثابت قدم رہنا

عادل ہونا

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

ہجرت کے بعد نواں سال

تبوک کی جنگ

سچی عقیدت

بہترین بنیں۔

ایک مبارک قبر

حق کے اندھے

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

سپورٹنگ گڈ

مقدس زیارت کو پاک کرنا

علم کی اہمیت

اخلاص

دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے

حرام سے بچنا

ہجرت کے بعد 10 واں سال

الوداعی مقدس زیارت

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

ایک عمدہ انتخاب

ذرائع کا صحیح استعمال کرنا

ایک جانشین

ایک عملی رول ماڈل

سب سے زیادہ علم والا

[سچائی کی تصدیق کرنا]
[باہمی مشاورت]
[احتساب سے ڈرتے ہیں۔]
[تحفظ ختم نبوت]
[والدین کی عزت کرنا]
[ایک نوبل واپسی۔]
[مکمل عقیدت]
[شاندار کردار]
[کوئی حسد نہیں۔]
[محبت اور شکرگزار]
[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات]
[اللہ کی عبادت]
[اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی]
[فرمانبردار رہنا]
[ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ]
[حق کا ساتھ دینا]
[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین]
[جنت کا عظیم ترین باغ]
[اتحاد]
[مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا]
[ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت]
[ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ]
[اتھارٹی میں انصاف]
[ایک سادہ زندگی]

ایک منصفانہ لیڈر

ایک عاجز لیڈر

ضرورت مندوں کی مدد کرنا

مساوات

ایک جسم

نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا

امن پھیلانا

مسائل کو چھوٹا بنانا

اچھے کی حوصلہ افزائی کرنا

ایک خوبصورت خطبہ - 1

ایمان کی فضیلت

خوف اور امید

ایک خوبصورت خطبہ - 2

ایک خوبصورت خطبہ - 3

ایک خوبصورت خطبہ – 4

آگے بڑھ رہا ہے۔

دوسروں کو مقرر کرنا

علم کے درجات

انصاف کو برقرار رکھنا

واضح کرنا اختراعی نہیں۔

آخرت کا مقصد

محبت

اندرونی اور بیرونی پیچیدگیاں

ایک قابل رہنما

ایک عاجز خلیفہ

اچھے ساتھی

منگنی کے قواعد

جنگ کے آداب

مرتد کی جنگیں

جنونیت سے پرہیز کریں۔

اسلام کے لیے کھڑا ہونا

مدینہ کا دفاع

نرمی

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

اندھی وفاداری۔

خطرناک خواہشات

نرمی

ضد سے بچنا

برائی پر اعتراض کرنا

ایمان کو تھامے رکھنا

احتساب

اخلاص پر متحد ہونا

کے ذریعے چیزیں سوچنا

حد سے زیادہ تعریف کرنا

ایک سنجیدہ معاملہ

سمجھوتہ کے بغیر لچک

قوم کی طاقت

ایک برا لیڈر

اللہ سے وفاداری

یمامہ کی جنگ

انوکھا انکشاف

حق پر باقی رہنا

مضبوط ایمان

تبدیلی کے مواقع

دلوں کو نرم کرنا

حدود کو سمجھیں۔

مخلصانہ توبہ

کبھی دو بار بیوقوف نہیں بنایا

برتری اور کامیابی

قرآن مجید کی تالیف

قرآن مجید کو جمع کرنا

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

ایمان امن لاتا ہے۔

شیطانی سازشیں

پیغام پھیلانا

فارسیوں کے خلاف مہم

چیزوں کو آسان بنانا

سننا اور اطاعت کرنا

نتائج کا سامنا کرنا

اچھے ساتھیوں کا انتخاب

ایک متوازن رویہ

اعمال کے ساتھ یقین

رومیوں کے خلاف مہم

وکیل تلاش کرنا

دوسروں کی رہنمائی کرنا

مضبوط دل

سپیریئر والے

ایک سادہ لیڈر

عظیم مشورہ

کامیابی یاد میں مضمر ہے۔

اہم مشورہ

مسلمانوں کو متحد کرنا

اطاعت پر توجہ مرکوز کرنا

باقی رہا عاجز

اللہ پر بھروسہ پیدا کرنا

اللہ کے لیے متحد

مشکلات کا سامنا کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صحبت

ثواب حاصل کرنا

برکتیں رکھنا

نرم مزاج ہونا

یرموک کی جنگ

اسلام میں متحد

ایمان پر عمل کرنا

اخلاص کے ساتھ آرہا ہے۔

دوسروں کے لیے احساس

ایک ایماندارانہ جواب

سچائی کی سختی سے پیروی کرنا

اللہ کی قدرت (SWT)

ادراک

کیسے کامیابی حاصل کی جائے۔

دلوں کا رخ موڑنا

تقریر کے خطرات

پڑوسیوں کی عزت کرنا

تمام مشکلات

چیزوں کو درست طریقے سے استعمال کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری

باقی توجہ مرکوز

اگلے خلیفہ کی نامزدگی - عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

مشورہ طلب کرنا

عظیم تر بھلائی کے لیے

قیادت سے خوفزدہ

اچھی چیزوں میں اطاعت کرنا

تقدیر کو قبول کرنا

انصاف سے بالاتر

بہترین طرز عمل

موت کی تیاری

آگے بھیجنا اچھا ہے۔

ایک حتمی مشیر

آخری الفاظ

ایک سچی تعریف

نتیجہ

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں۔

تعارف

درج ذیل مختصر کتاب میں عظیم صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کے پہلے سیدھے رہنمائی یافتہ خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی سے کچھ اسباق پر بحث کی گئی ہے۔

زیر بحث اسباق کو نافذ کرنے سے ایک مسلمان کو اعلیٰ کردار حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے:

''اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔''

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی

ایک ایماندار تاجر

زمانہ جاہلیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک کامیاب تاجر تھے جو بیرون ملک باقاعدہ تجارتی دورے کرتے تھے۔ وہ اپنے کاروباری معاملات میں انصاف پسندی اور سخاوت کے لیے شہرت رکھتا تھا۔ دوسرے تاجر اس کے ساتھ تجارت کرنے کے خواہشمند ہوں گے کیونکہ اس نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 43 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے ۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کے سامنے ظاہر کرے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب

مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

عمدہ کردار

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے عالمی طور پر پیار کیا۔ بزرگان اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان خصوصیات کے حامل تھے جس سے عربوں میں ان کی عزت میں اضافہ ہوا۔ اہل علم اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ بہت پڑھے لکھے شخص تھے۔ تاجر اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ایک منصف اور عادل سوداگر تھا۔ غریب لوگ اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے لیے فیاض تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 44 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان کے کردار کے اس پہلو کی جڑ دوسروں کے ساتھ خلوص تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

ذہانت

زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی شراب نہیں پی۔ جب اس سے سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں ہمیشہ اپنی عزت کی حفاظت اور مردانگی کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں اور شراب پینے سے یہ دونوں چیزیں ختم ہوگئیں۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 7 تا 8 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

’’ اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 کی ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ پھر بھی، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔ شراب.

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا جاتا ہے، شامل ہیں۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

فضول باتوں سے بچنا

زمانہ جاہلیت میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی شاعری نہیں کی، جو اس زمانے کے عربوں نے بڑے پیمانے پر کی تھی۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 7 میں بحث ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فضول گفتگو کو ناپسند کرتے تھے اس لیے شاعری سے پرہیز کرتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہٰذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

اندھی تقلید سے بچنا

ظہور اسلام سے پہلے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی پوجا کی۔ یہاں تک کہ بچپن میں ہی اس نے عقل کا استعمال کیا جب بتایا کہ مکہ کے بت اس کے خدا ہیں۔ اس نے ایک بار بے جان بتوں سے درخواست کی کہ اسے کھانا اور لباس مہیا کریں۔ جب انہوں نے جواب نہ دیا تو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے لیے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے، کسی اور کو کچھ دینے دیں۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بار ایک بت پر پتھر پھینکا اور مشاہدہ کیا کہ یہ کس طرح اپنی حفاظت نہیں کرسکتا ، کسی اور کی حفاظت تو کرنے دو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 45-46 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عقل سے کام لیا اور بے جان بتوں کی پوجا کرنے میں اپنے اردگرد کے لوگوں کی اندھی پیروی نہیں کی۔

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ سچائی کو مسترد کرتے ہیں، جیسے یوم حشر۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اس طرح کا برتاؤ انحراف کی طرف لے جاتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر

سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے

دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

خواہشات کی عبادت کرنا

ظہور اسلام سے پہلے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی پوجا کی۔ یہاں تک کہ بچپن میں ہی اس نے عقل کا استعمال کیا جب بتایا کہ مکہ کے بت اس کے خدا ہیں۔ اس نے ایک بار بے جان بتوں سے درخواست کی کہ اسے کھانا اور لباس مہیا کریں۔ جب انہوں نے جواب نہ دیا تو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے لیے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے، کسی اور کو کچھ دینے دیں۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بار ایک بت پر پتھر پھینکا اور مشاہدہ کیا کہ یہ کس طرح اپنی حفاظت نہیں کرسکتا ، کسی اور کی حفاظت تو کرنے دو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 45-46 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کا ہر پرستار صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے۔ ان کے دیوتا ان کی خواہشات کا محض ایک جسمانی مظہر ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بت کی شکل میں دیوتا کی پوجا کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ بے جان بت انہیں اپنی زندگی کسی خاص طریقے سے گزارنے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے پوجا کرنے والا خود فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بے جان بت کو کس طرح جینا پسند کرے گا۔ اور یہ ضابطہ اخلاق ان کی اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی خواہشات کی عبادت ہی ان کی عبادت کی جڑ ہے۔ بااثر اور امیر لوگ اس ذہنیت میں زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق کے معنی اسلام کو قبول کرنا انہیں ایک مخصوص ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا جو انہیں اپنی گمراہ خواہشات پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ وہ دوسروں کو ان کی پیروی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنا اثر و رسوخ اور اختیار کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خواہشات کی پرستش یعنی بتوں کی پرستش کو رد کر دیا اور اس کے بجائے خود کو اعلیٰ اخلاقی معیار پر فائز کیا۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو چیز انسان کو جانور سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ایک اعلیٰ اخلاقی ضابطے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر لوگ اس کو چھوڑ دیں اور صرف اپنی خواہشات پر عمل کریں تو ان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ درحقیقت، لوگ بدتر ہوں گے کیونکہ وہ ابھی تک اعلیٰ سطح کی سوچ رکھتے ہیں، پھر بھی جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ لوگ حقیقت میں تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں، ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا بندہ ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہوتے ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں چاہے اس سے حیا اور شرمندگی کو چیلنج ہو۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اگلے میں یہ عطا کیا .صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخرکار اداس، تنہا، افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

ظلم سے بچنا

ظہور اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دینی تعلیمات میں گہری دلچسپی تھی اور اکثر مختلف مذاہب کے علماء سے گفتگو کرتے تھے۔ اس کی دلچسپی نے سچائی اور اپنی تخلیق کے مقصد کو تلاش کرنے کی حقیقی خواہش ظاہر کی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک دفعہ توریت اور بائبل کے ماہر ورقہ ابن نوفل سے نبوت کے تصور کے بارے میں گفتگو کی۔ ورقہ نے ان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات کرتے ہیں جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ وہ ظلم نہیں کرتا، ظلم کرنے میں دوسروں کی مدد نہیں کرتا اور ظلم کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ تحقیق ان وجوہات میں سے تھی جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بآسانی قبول کیا۔ امام محمد السلاّبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 49-50 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو اپنایا، اوپر بیان کیا گیا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو بھی ہونا چاہیے، کیونکہ ظلم دونوں جہانوں میں اندھیروں کا باعث ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ جتنا وہ گناہ کریں گے اتنا ہی ان کا دل تاریکی میں گھرے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روک دے گا جو آخر کار اگلی دنیا میں اندھیروں کی طرف لے جائے گا۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اپنے جسم اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جس میں سب سے بڑا ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں لوگ کریں۔ ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

سچائی کی تلاش

ظہور اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دینی تعلیمات میں گہری دلچسپی تھی اور اکثر مختلف مذاہب کے علماء سے گفتگو کرتے تھے۔ اس کی دلچسپی نے سچائی اور اپنی تخلیق کے مقصد کو تلاش کرنے کی حقیقی خواہش ظاہر کی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک دفعہ توریت اور بائبل کے ماہر ورقہ ابن نوفل سے نبوت کے تصور کے بارے میں گفتگو کی۔ ورقہ نے ان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات کرتے ہیں جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ وہ ظلم نہیں کرتا، ظلم کرنے میں دوسروں کی مدد نہیں کرتا اور ظلم کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ تحقیق ان وجوہات میں سے تھی جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بآسانی قبول کیا۔ امام محمد السلاّبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 49-50 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، علم کی تلاش اور اس پر عمل کرتے ہوئے، کیونکہ یہ ایمان کی یقین دہانی کا باعث بنتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اللہ تعالیٰ کا یقین تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر آسانی سے اسلام قبول کیا۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے جس سے ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس

کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مکمل طور پر مؤخر الذکر گروہ کی حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

’’ جس دن وہ)قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الٰہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

حق کو قبول کرنا

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کر لی تھی، جب کہ باقی تمام مردوں نے مختلف درجات میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 51 میں اس پر بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3661 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے سچائی کو آسانی سے قبول کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ سچے آدمی تھے۔ یعنی اسلام سے پہلے اس نے سچائی کی خصوصیات کو تلاش کیا، قبول کیا اور اپنایا۔ اس لیے جب اسلام کی حقانیت ان کے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے بلا جھجک اسے قبول کر لیا۔

مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپناتے ہوئے اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا

مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

اچھی صحبت

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کر لی تھی، جب کہ باقی تمام مردوں نے مختلف درجات میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 51 میں اس پر بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3661 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی حقانیت کو آسانی سے قبول کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی پہلے سے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوتِ اسلام سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے عیب کردار کو جان کر اسلام کی سچائی کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ مکہ کے غیر مسلموں نے بھی اسی چیز کو دیکھا لیکن انہوں نے اسلام کو سختی سے رد کیا۔

یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی مکہ کے غیر مسلموں کے درمیان گزاری، آپ کی نبوت کے اعلان کے لیے کافی ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو آپ نے اپنے 40 سال ان کے درمیان اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ سچ بول رہے ہیں۔ یہ ثبوت غیر مسلموں کی طرف سے بھی ناقابل تردید تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 4553 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، صرف کچھ لوگوں کے تکبر نے انہیں حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے روک دیا۔ باب یونس، آیت 16 10:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

دونوں کے درمیان گہری دوستی اچھی صحبت کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی

دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں کو حق کی دعوت دینے میں مصروف ہو گئے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز اور بزرگ صحابی بن گئے۔ ان لوگوں میں شامل ہیں :عز زبیر ابن العوام، عثمان بن عفان، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص، ابو عبیدہ ابن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف، اور بہت سے، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے اس عظیم کارنامے کو حاصل کیا ان میں سے ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔ جب دوسرے لوگوں نے ان کے کردار و عمل میں اسلام کی نشانیاں دیکھی تو ان کی زبان کے بجائے اس نے انہیں حق کو قبول کرنے کی ترغیب دی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی

مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اسلام کی عوامی دعوت

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد 38 کے لگ بھگ ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید کی کہ دوسروں کو کھلم کھلا اعلان کریں اور دعوت دیں۔ .جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس بات کا اتفاق ہوا تو بیت اللہ، کعبہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اطراف کے مقدس علاقے میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش ہو کر اٹھے اور مسجد کے اندر اور اردگرد موجود تمام لوگوں سے خطاب کیا جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے کھلے عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے کی طرف بلایا۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے آپ کی پکار سنی تو سخت غصے میں آگئے اور ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسجد میں پرتشدد لڑائی چھڑ گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بری طرح زخمی ہوئے۔ اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اسے ہوش آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 319-320 میں زیر بحث آیا ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کے لیے

چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد 38 کے لگ بھگ ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید کی کہ دوسروں کو کھلم کھلا اعلان کریں اور دعوت دیں۔ .جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس بات کا اتفاق ہوا تو بیت اللہ، کعبہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اطراف کے مقدس علاقے میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش ہو کر اٹھے اور مسجد کے اندر اور اردگرد موجود تمام لوگوں سے خطاب کیا جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے کھلے عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے کی طرف بلایا۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے آپ کی پکار سنی تو سخت غصے میں آگئے اور ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسجد میں پرتشدد لڑائی چھڑ گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بری طرح زخمی ہوئے۔ اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اسے ہوش آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت تک نہ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے اور نہ آرام کرتے تھے جب تک یہ نہ دیکھ لیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 56-59 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

موت کے دہانے پر ہونے کے باوجود ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا اخلاص برقرار رکھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

" کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا"۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

بہادری

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر حملے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ ایک اور موقع پر مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسمانی حملہ کیا اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے ایک وار کرکے ان کا دفاع کیا۔ ان میں سے، دوسرے کو روکنا اور دوسرے کو نیچے پھینکنا۔ اس پر امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

وہ انسانوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے کیونکہ وہ بغیر کسی کمزوری کے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو‘‘

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ’’
خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

کمزوروں کی مدد کرنا

جب معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کے ظلم و ستم ہو رہے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور عورتوں کو خرید کر آزاد کر کے ان کی مدد کی۔ جیسے بلال رضی اللہ عنہ۔ صحیح بخاری نمبر 3754 میں موجود ایک حدیث میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات ان کے نیک اعمال کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ باب 92 آل لیل، آیات 5-7:

"جو شخص دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور بہترین]انعام [پر یقین رکھتا ہے۔ ہم اسے آسانی کی طرف آسان کر دیں گے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 357-358 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا. متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا. ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

اس کے علاوہ، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غلامی کی دوسری شکلیں بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے، جیسے قرضوں کے ذریعے مالی غلامی۔ اس میں دوسروں کو دوسرے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی میں مدد کرنا یا کسی مسلمان پر دوسرے کا قرض واجب الادا ہونے پر چیزوں کو آسان بنانا شامل ہے۔ درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرض اتارتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں معاف کر دیتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اخلاص

جب معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کے ظلم و ستم ہو رہے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور عورتوں کو خرید کر آزاد کر کے ان کی مدد کی۔ جیسے بلال رضی اللہ عنہ۔ جب آپ کو ان کے والد نے مشورہ دیا کہ وہ مضبوط غلام خرید کر آزاد کر دیں جو ان کے کام میں ان کی مدد کر سکیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرید کر آزاد کر رہا ہوں۔ کسی خفیہ مقصد کے لیے نہیں۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیات ان کے نیک اعمال کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ باب 92 آل لیل، آیات 5-7:

" جو شخص دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور بہترین]انعام [پر یقین رکھتا ہے۔ ہم اسے آسانی کی طرف آسان کر دیں گے۔"

امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 69-70 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرے، جب وہ نیک کام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص رہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ سکتے ہیں۔

غریبوں کا ساتھ دینا

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ بھی شامل ہے :ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد کے لیے ان کا شوق۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

باندھتے ہیں جو باندھتے ہیں۔

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن داغینہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ بھی شامل ہے :رشتہ داری کو برقرار رکھنا۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد ترک نہیں کیا جا سکتا۔ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کو دھوکہ نہیں دے لیکن اللہ تعالیٰ کوئی شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے سکتا ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ رشتہ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس " کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا زیادہ تر معاملات میں، جب مومن کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کوئی کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں برقرار رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف اپنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ سے لیکن اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی جیسی فرض نماز رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں۔ سے ان کا تعلق منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی ذریعے اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دیتا ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو سماجی دولت اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

’’اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔‘‘

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

’’تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟ [ایسا کرنے والے] وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔‘‘

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں اپنے رشتہ داروں کو نیکی ۔ میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت کا حکم دیں اور ان 2:

’’اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔‘‘

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق اور سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا خواہ جسم .زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے

مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی لیے وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ کوشش میں صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک تک جاری رہتے ہیں کئی دہائیوں ان سے دوبارہ وہ کسی رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد کبھی بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے ہے۔ مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ ہے؟ یہ سوال علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

دوسروں کو تسلی دینا

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن داغینہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ شامل ہے :غم زدہ کی مدد کرنا۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

چونکہ مشکلات کا سامنا کرنا ان سب باتوں کی ضمانت ہے یہ ایک عظیم اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اکثر صورتوں میں مدد کے چند مہربان الفاظ کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

آخر میں یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس عمل صالح کو انجام دیتے وقت اپنی نیت درست کریں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور دوسروں جیسے اپنے رشتہ داروں کو دکھاوے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی خوف کی وجہ سے کریں۔ دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بننا اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

پہلی ہجرت

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بعض صفات کو بیان کیا ہے۔ ابن ادثینہ نے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس آنے کی ترغیب دی جہاں وہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں سے اپنی حفاظت کی پیشکش کریں گے۔ جب وہ دونوں واپس لوٹے تو مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ابن الدغنہ کے مطالبات سے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی رازداری میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عبادت کریں۔ عوام میں نہیں .صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگر چہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ واپس آ گئے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرنے اور سب کچھ چھوڑنے کے لیے پوری طرح پرعزم تھے۔ یہ کام اس نے آخر کار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں کیا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ جس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایتھوپیا کی طرف ہجرت کا ذکر ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

خدائی حفاظت

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بعض صفات کو بیان کیا ہے۔ ابن ادثینہ نے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس آنے کی ترغیب دی جہاں وہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں سے اپنی حفاظت کی پیشکش کریں گے۔ جب وہ دونوں واپس لوٹے تو مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ابن الدغنہ کے مطالبات سے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی رازداری میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عبادت کریں۔ عوام میں نہیں .ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق کیا لیکن اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی جہاں وہ نماز پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے جسے راہگیر سن سکتے تھے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کے لیڈروں نے اس پر ابن ادثینہ کو للکارا تو اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہائی میں کریں یا پھر انہیں اپنے تحفظ کے وعدے سے آزاد کر دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا اور اس کے بدلے اللہ رب العالمین سے پناہ مانگی۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1081 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ ان کے رزق میں برکت، الٰہی نصرت اور اپنی حالت و حالت میں بہتری کیسے لائی جائے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے۔ چونکہ موت کا وقت معلوم نہیں یہ حدیث درحقیقت خلوص دل سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے یعنی بغیر تاخیر کے توبہ کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر مشتمل ہے،

اور جس کے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے، ندامت محسوس کرنا، دوبارہ ایسا یا ایسا ہی گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا۔ اور آخر میں، اگر ممکن ہو تو، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو ذمہ داریوں، بیماری یا کسی مشکل میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے وقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کر کے یہ حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی وساطت کے مطابق عمل صالح کرنے میں جلدی کرے اور جس کل کی انہیں امید ہے وہ کبھی نہ آئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی جب کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مزید اعمال صالحہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ یاد کرکے مضبوط کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی ذکر تین درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلا داخلی ذکر ہے، اس کے لیے اخلاص۔ دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، اچھی بات کہنے اور لغو اور گناہ کی باتوں سے اجتناب پر مشتمل ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اصل حدیث میں جو آخری چیز مذکور ہے وہ پوشیدہ اور کھلا کثرت سے صدقہ دینا ہے۔ اس میں واجب اور رضاکارانہ صدقہ دونوں شامل ہیں۔ غور کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب ہے صدقہ دینا اپنے وسیلہ کے مطابق دینا چاہے زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مقدار کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے وہ معیار کے معنی، اخلاص کی بنیاد پر اعمال کا مشاہدہ اور فیصلہ کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے پاس اپنے وسائل کے مطابق صدقہ دینے کے علاوہ کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقہ ایک بار کی بجائے باقاعدگی سے دیا جائے کیونکہ معمول کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ آخر میں جو لوگ دوسروں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں وہ اسے کھلے عام دے سکتے ہیں۔ اس سے انہیں وہی اجر ملے گا جو ان لوگوں کو ملے گا جو ان کی تحریک کی وجہ سے عطیہ کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351

میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دکھاوے سے ڈرتے ہیں جس سے ان کا اجر منسوخ ہو جاتا ہے تو وہ نجی طور پر ایسا کریں۔ اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ اجر حاصل کرنے کے بہت سے اختیارات اور مواقع فراہم کیے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کے بوجھ کو ہٹانے کا باعث بنتے ہیں۔

سچ کا چیمپئن

مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے فلسطین میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں طرف سے دکھائیں۔..."

واپسی پر اس نے اہل مکہ کو اپنے آسمانی سفر سے آگاہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلموں نے اس کے دعوے کی تردید کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام سے دستبردار ہونے پر راضی کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان کے خیال میں یہ سفر ناممکن تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اس سفر پر ایمان لانا ایک چھوٹا مسئلہ تھا کیونکہ وہ ان عظیم چیزوں پر یقین رکھتے تھے جن کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وحی الٰہی سے آگاہ کیا تھا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو صدیق یعنی صادق کا لقب عطا فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپنانا چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی

طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت

اللہ پر بھروسہ رکھیں

مکہ میں برسوں کے ظلم و ستم کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کا پتہ نہ لگ جائے، جیسے خفیہ طور پر مکہ چھوڑنا۔ ان کے پاس ابوبکر کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے، جو مکہ کے غیر مسلموں کی جاسوسی کرتے تھے تاکہ اپنے شیطانی منصوبوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا سکیں۔ انہوں نے مدینہ کے سفر میں ان کی مدد کے لیے ایک گائیڈ کی خدمات حاصل کیں۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ احتیاطیں اور اقدامات اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ایک پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے جو کسی قسم کے فائدے کے حصول کے لیے حلال طریقے سے مہیا کیے ہیں۔ دوسرا پہلو اس بات پر بھروسہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نتیجہ کا انتخاب کرے گا وہ اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے دونوں عناصر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں میں واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کہ غار ثور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی حفاظت کی فکر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 3922 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

‘‘اے ایمان والو احتیاط کرو۔’’

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں

موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

سچا پیار

مکہ میں برسوں کے ظلم و ستم کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ سفر کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوتے، چلتے وقت اور پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جب بھی انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیچھے سے حملہ ہو جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لیکن پھر وہ سامنے والے حملے سے ڈرتے تھے اور اس کی وجہ سے وہ پوزیشنیں بدل دیتے تھے۔ آخرکار انہوں نے کوہ ثور کے غار میں کچھ دنوں کے لیے پناہ لی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں داخل ہونے سے پہلے اس میں داخل ہونے کی تاکید کی تاکہ اس کے اندر سے کوئی نقصان دہ چیز صاف کر کے اسے نکال دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا پاؤں غار کے اندر ایک شگاف پر اس خوف سے رکھا کہ کہیں کوئی جاندار اس سے نکل کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 157 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

بہترین ساتھی

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ ہجرت کے دوران کوہ ثور کے غار میں پناہ لی تو مکہ کے غیر مسلموں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں شہید کرنے کا عزم کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس موقع پر مکہ کے غیر مسلم اس غار میں پہنچ گئے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اگر غیر مسلم بھی اپنے پاؤں کی طرف جھک کر دیکھیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غار میں چھپے ہوئے دیکھیں گے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ غم نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا تیسرا ساتھی تھا۔ صحیح بخاری نمبر 3922 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 9 توبہ آیت 40:

جب وہ غار میں تھے اور آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ غم نہ ''کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے تمام ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ

تعالیٰ کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اس اعلان کو کسی بھی طرح محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی بھی ہو یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ یہ نہ صرف اسے زبان سے یاد کرنا ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اسے اپنے عمل سے یاد کیا جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا ہی زیادہ اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

حق پر قائم رہنا

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک راہگیر نے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں سچ نہیں بتانا چاہتے تھے کیونکہ ممکن ہے یہ اطلاع مکہ کے غیر مسلموں تک پہنچ گئی ہو، جو ان کے تعاقب میں تھے، لیکن ساتھ ہی وہ جھوٹ بولنے کی خواہش بھی نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ ایمانداری اور سچائی کا معراج تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس کے رہنما تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مراد اس دنیا میں ان کا رہنما ہے جبکہ اس شخص نے یہ سمجھا کہ وہ سفر میں اس کا رہنما ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 104-105 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ بہت بڑی شرم کی بات ہے کہ آج کل مسلمان بغیر کسی وجہ کے جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مہلک صورتحال کا سامنا کرتے ہوئے بھی ایماندار رہے۔

جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ ان تمام قسم کے جھوٹ حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانا۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت کے خواہش مند ہیں لیکن جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹ بولنا جو معاشرے میں دوسروں تک پھیل جائے اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحیح بخاری نمبر 7047 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا کرے اور توبہ نہ کرے تو اسے موت کے بعد اس حد تک سزا دی جائے گی کہ ایک لوہے کے برابر۔ ان کے منہ میں کانٹا لگا دیا جائے گا اور ان کے چہرے کی جلد پھاڑ دی جائے گی۔ ان کا چہرہ فوری طور پر دوبارہ بن جائے گا اور اس عمل کو دہرایا جائے گا۔ یہ سلسلہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے جھوٹ سے پرہیز کرنا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

ایک خوبصورت میراث

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے مفت میں زمین کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مفت میں لینے سے انکار کر دیا اور ان سے خرید لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 165-166 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیداوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

دنیا کے بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں اینٹوں سے بنائی گئی تھی جس کے اوپر کھجور کے پتوں سے بنی ہلکی چھت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس میں کوئی بہتری نہیں کی۔ لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اس کی توسیع کی اور اس کی دوبارہ تعمیر اسی طرح کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کی گئی تھی، یعنی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے۔ اس کے لکڑی کے ستونوں کو بھی بحال کیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اس میں تبدیلیاں اور بڑے اضافے کیے۔ اس نے اس کی دیواریں کٹے ہوئے پتھر اور پلستر سے بنائی تھیں، اس کے ستون پتھر کے اور اس کی چھت ساگوان کی تھی۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 738 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بناتا ہے، خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ چڑیا کا گھونسلہ ہو یا چھوٹا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 201-202 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں

ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی مہاجرین، مہاجرین و مددگار، انصار، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی بھائی بننے کی تلقین کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

اسٹینڈنگ فرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت کی کہ کیا کیا جائے؟ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 259-260 میں بحث کی گئی ہے۔

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور ہر حال میں آپ کی حمایت کا عہد کیا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ دیا۔ انہیں، ایسا کرنے کے لئے.

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل

ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

''اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت کا عطیہ کرنا، وہ غائب نظر آتا ہے۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر ’’
‘‘وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

ہمت

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر حملے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ اس پر امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے غیر مسلموں کا بنیادی ہدف تھے، جنگ بدر کے دوران ان کے ساتھ ہونا سب سے خطرناک جگہ تھی۔

ایک مسلمان کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمت کو اپنانا چاہیے، جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت شامل ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزدلانہ رویہ اختیار کرنے سے خبردار کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے روکتا ہے، اور جس چیز کا اس نے وعدہ کیا ہے، جیسے کہ کسی کی ضمانت شدہ رزق۔ یہ کسی کو مشتبہ اور غیر قانونی طریقوں سے رزق تلاش کرنے کا سبب بن سکتا ہے جو انسان کو دونوں جہانوں میں تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، بزدل ہونا کسی کو شیطان اور اندرونی شیطان کے خلاف جدوجہد کرنے سے روکتا ہے جس کے لیے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کا باعث بنے گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل

ہے۔ اور اس لیے انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روکے گا۔ دنیوی اور دینی کامیابی کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک بزدل اس جدوجہد کو شروع کرنے سے بہت ڈرے گا اور اس کی بجائے سستی کرے گا جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

سچی امید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل اور دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں فتح عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی التجائیں اتنی شدید تھیں کہ جب وہ دعا میں ہاتھ اٹھاتا تو اس کی چادر کندھوں سے پھسل جاتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور اپنی چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بدل دیتے تھے اور ہمدردی کے اظہار میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی۔ اس کی شدت کو کم کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اسے فتح عطا کرے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کامل بندے ہیں، اس لیے آپ نے اپنے رب اور آقا کی طرف رجوع کرنے اور دعا کرنے سے باز نہیں رکھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے دوران اللہ تعالیٰ سے سچی امید کے مقام پر تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین

کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے . حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمانوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول

کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔
باب 3 علی عمران، آیت 85:

" اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

حقیقی محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اس جنگ میں ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ برسوں بعد، اسلام قبول کرنے کے بعد، اس نے اپنے والد کو بتایا کہ بدر کی لڑائی کے دوران، اسے ان پر حملہ کرنے کا موقع ملا تھا لیکن اس کے احترام میں اپنا ہاتھ روک لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر اس دن مجھے اس سے لڑنے کا موقع ملے تو وہ ضرور کریں گے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 12 میں بحث ہوئی ہے۔

اگر چہ وہ ان کا بیٹا تھا، پھر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وفاداری کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کردہ احکام و ممنوعات کو ترجیح دے گا۔ اس پر، ان کی اپنی خواہشات اور آراء پر۔ باب 9 توبہ آیت 24:

’’ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، وہ مال جو تم نے حاصل کیا ہے، وہ تجارت جس کے زوال کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جن سے تم خوش ہو، تمہیں اس سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرتے رہو، پھر انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ نہ کر دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

انسان صرف ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ان سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی ان چیزوں پر اسلام کی اطاعت کا انتخاب کرتا ہے تو اس سے ان

کی اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ثابت ہوتی ہے۔ ایک سچا عاشق صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی اطاعت کرے اور اسے ہر وقت راضی رکھے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے۔

ایک مہربان عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ انہیں پھانسی سے معاف کر دیا جائے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دی جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 305 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

" پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشکلات میں اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لائے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ کے غیر مسلم قائدین مدینہ کو مٹانے کے لیے واپس مدینہ کی طرف کوچ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اسلام خیر کے لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے سخت زخموں اور تھکے ہوئے جسموں کے باوجود غیر مسلموں کے تعاقب میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے باب 3 آل عمران آیت 172 نازل فرمائی:

" جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی طرف لبیک کہا ان پر چوٹ لگ گئی۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67-68 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت ستر صحابہ کرام نے رضاکارانہ طور پر مکہ کے غیر مسلموں کا پیچھا کیا۔ اس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 6249 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

" اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات

پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

بات چیت کا احترام کرنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے شادی کی ممکنہ تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ مؤخر الذکر نے بالترتیب اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ شادی کرنے کی صحیح پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے بعد عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شادی کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا، جنہوں نے فوری جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور شادی کی۔ ابوبکر نے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ انہوں نے شروع میں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس معلومات کو ظاہر کرنے کے بجائے اس نے جواب نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ سنن نسائی نمبر 3261 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

بہت سے لوگوں کے برعکس جنہیں وہ ہر سنی سنائی بات کہہ دینے کی عادت رکھتے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی گفتگو کا احترام کرتے تھے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4992 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو کچھ بھی سنتا ہے اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنا ان کے گناہگار ہونے کے لیے کافی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کسی کو سب سے پہلے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صرف حلال تقریر ہی سنتے ہیں کیونکہ ایسی گفتگو میں سرگرمی سے حصہ لینا جس میں گناہ کی تقریر شامل ہوتی ہے دونوں جہانوں میں ان پر منفی اثر ڈالے گی۔ ایک مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایسی گفتگو سے گریز کرے جس میں فضول اور فضول گفتگو ہو کیونکہ اس سے اکثر گناہ کی بات ہوتی ہے اور اس کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے جو کہ قیامت کے دن ان کے لیے بڑا پشیمان ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ جو کچھ بھی سنتے ہیں اسے دوسروں تک نہ پہنچائیں کیونکہ یہ آسانی سے غیبت اور غیبت کا باعث بن سکتا ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہیں۔ یہ اکثر رشتہ داروں کے درمیان خاص طور پر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو صرف ان چیزوں کو بیان کرنا چاہئے جو وہ سنتے ہیں اگر وہ گناہوں سے بچ سکتے ہیں اور اگر وہ معلومات دوسروں کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ جو معلومات دیتے ہیں وہ تصدیق شدہ اور مستند ہونی چاہیے کیونکہ ایسی چیزوں کو پہنچانا جو تصدیق شدہ نہیں ہیں، قرآن کریم کے حکم سے متصادم ہیں۔ جو مسلمان لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس طرح سے ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔‘‘

جس طرح ایک مسلمان اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ جن باتوں پر بات کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر دوسروں تک پھیلائے جائیں، انہیں بھی اس طریقے سے برتاؤ نہیں کرنا چاہیے جو دوسرے کہتے ہیں۔

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بدلہ لینا چھوڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقے سے نکال دیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہیں اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخرکار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا خون بہا دیں اور ان کو محفوظ راستہ دیں تاکہ وہ اپنے سامان سمیت علاقہ خالی کر سکیں۔ .بنو نضیر سے ان کے مذموم منصوبے کا بدلہ لینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی اٹھا سکتے تھے لے جانے کی اجازت دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

دوسری بدر

جنگ احد سے نکلنے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے اگلے سال بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کے دوبارہ ملنے کے لیے ملاقات کا اعلان کیا۔ جب وقت آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً 1500 سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا اور بدر کے مقام پر غیر مسلموں کا انتظار کرنے لگے۔ غیر مسلم فوج تقریباً 2000 سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن اس نے بدر سے دور کیمپ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی اور اگرچہ اس نے خود ملاقات کا وقت مقرر کیا، ابو سفیان نے سپاہیوں کو مکہ واپس جانے کی ترغیب دی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو مشغول کرنے سے خوفزدہ تھے، انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور مکہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں رہے اور کسی نفع بخش تجارت میں مشغول رہے۔ آٹھ دن کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے اس ہیبت اور سربلندی کے ساتھ روانہ ہوئے جو اہل عرب کے دلوں میں پھیل گئی تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 306-307 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی نفسیاتی فتح عطا فرمائی جس کی بازگشت پورے عرب میں فوجی فتح سے زیادہ تھی۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد

کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ایک ایگزٹ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی کو اس جنگ کی طرف روانہ کیا۔ غیر مسلم فوج جس نے ان کے کیمپ کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکا اور انہیں پریشانی اور پریشانی میں ڈال دیا۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی

کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلم فوج کے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے کیمپ سے معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن انہیں تنبیہ کی کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے توجہ مبذول ہو۔ اپنے آپ کو .دشمن کے کیمپ میں پہنچ کر اس نے غیر مسلم رہنما ابو سفیان کو دیکھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کمان لاد لیا اور ابو سفیان پر گولی چلانے ہی والے تھے لیکن جب انہیں دیا گیا حکم یاد آیا تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس نے خفیہ طور پر غیر مسلموں کی ایک مجلس میں شرکت کی اور معلوم کیا کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے پاس سامان ختم ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہوا ان پر تباہی مچا رہی تھی۔ مسلمانوں کی کھودی گئی خندق میں گھس نہ سکے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتاب، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1383-1384 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

غداری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غداری کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا جرم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ لوگوں سے بھرے پورے شہر کے خلاف تھا۔ اگر ان کو جلاوطن کر دیا جاتا تو وہ صرف مدینہ سے دوبارہ جنگ کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لیتا ہے جو اپنے کمزور بندوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دفاع اور انتقام کی طاقت نہیں رکھتے۔

جو مسلمان اس نام الٰہی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا، خاص کر ان لوگوں پر جو بے دفاع دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان کا محافظ اور بدلہ لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی زمین پر زندگی کے دوران اور خاص طور پر قیامت کے دن کہ وہ ان کے اعمال صالحہ کو اس کے بدلہ لے گا۔ وہ ظالم کو مجبور کر کے انصاف قائم کرے گا شکار کے حوالے کرے اور اگر ضروری ہوا تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کے سپرد کر دیے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر ظالم کو جائیں گے۔ یہ میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 6579

ایک مسلمان کو اپنے اندر کے شیطان سے انتقام لیتے ہوئے اس نام الٰہی پر عمل کرنا چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت اطاعت کے تابع کر کے برائی کی طرف ترغیب دیتا ہے، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ .اور ایک مسلمان کو ان تمام چیزوں کا بدلہ لینا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں، ان سے منہ موڑ کر۔

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون آیت نمبر 63 نازل فرمائی۔

" یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو جب تک کہ وہ منقطع نہ ہو جائیں۔ "اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آئے تو جتنا زیادہ عزت دار [اقتدار کے لیے [زیادہ عاجز کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔''

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر تسلی دی اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جس نے اپنا کان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-215 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بہتان

چیزوں کو جانے دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلع رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اللہ کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان سے بری الذمہ قرار دیا گیا، ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اب وہ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کریں گے جس نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 24 النور، آیت 22 نازل کی، جس میں اسے اور تمام مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی:

" اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور اپنے رشتہ دار کی مدد کرتے رہے۔ جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔

درست طریقے سے ترجیح دینا

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت چھوڑ دیا جب آپ مدینہ منورہ پہنچنے والے تجارتی قافلے کی طرف وعظ فرما رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ رہنے والوں میں سے تھے۔ پھر سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 62 نازل ہوئی:

لیکن]ایک موقع پر [جب انہوں نے کوئی لین دین یا موڑ دیکھا تو وہ اس کی طرف بھاگے اور " آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ مواخذہ اور لین دین سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2000 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ یہ کوئی گناہ بھی کم نہیں تھا، لیکن یہ اس صحیح آداب کے خلاف ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 62:

’’ مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مشترکہ مفاد کے لیے اس سے ملاقات کرتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں نکلتے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لیں۔ درحقیقت جو لوگ آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سے اجازت طلب کرتے ہیں، وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کی وجہ سے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔‘‘

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا مفید علم میں اضافے کا باعث بنے گا۔ یہ تجارت اور موڑ سے بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنی حلال روزی کو ترک کر دے، بلکہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف جھکتے ہوئے دونوں کے درمیان توازن قائم کرنا چاہیے۔ اس طرز عمل سے دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیاوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیرضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

فخر سے آزاد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف)رحم کی نگاہ سے (نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کا لباس بعض اوقات غیر ارادی طور پر پھسل جاتا تھا)چونکہ وہ ڈھیلا تھا (لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غرور سے بری کر دیا اور اعلان کیا کہ میں نے ایسا سلوک نہیں کیا۔ فخر سے باہر کا طریقہ .صحیح بخاری نمبر 3665 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص

یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

تعلقات کو درست کرنا

ایک مرتبہ عمر بن خطاب سے جھگڑے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے معافی کی درخواست کی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انکار کر دیا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے اس معاملے کا ذکر کیا۔ تھوڑی دیر بعد عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس فعل پر افسوس ہوا اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ آخرکار اس نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پایا، جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ناراض تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے لوگوں کو تاکید کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں کیونکہ انہوں نے بآسانی ان کے اسلام کے پیغام کو قبول کیا تھا جبکہ باقی سب نے مختلف درجات میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے حمایت کی۔ اسے اپنے اور اپنے مال کے ساتھ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پھر کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ صحیح بخاری نمبر 3661 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں جھگڑا ہونے کے بعد آپس میں رشتہ توڑنے کی وجہ بننے کے بجائے جلدی جلدی اپنے تعلقات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے آج کل مسلمانوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعلقات منقطع کرنے کا رواج بہت زیادہ عام ہو چکا ہے، حالانکہ یہ اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے واضح طور پر متصادم ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6534 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو تین دن سے زیادہ ترک کرے۔

یہ ان لوگوں پر لاگو ہوتا ہے جو دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر چہ کسی کو مذہبی وجہ سے ترک کرنا جائز ہے لیکن اس کے ساتھ تعلق قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جاری رکھنا بہت

افضل ہے۔ یہ طرز عمل گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دینے میں ان کو ترک کرنے سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیکی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتا رہے اور برے کاموں سے روکتا رہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ متحد ہو جائیں اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں کیونکہ اتحاد طاقت کا باعث بنتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت کم تھی لیکن جب وہ متحد رہے تو تمام امتوں پر غالب آگئے۔ بدقسمتی سے اس اہم فریضے کو پورا نہ کرنا ایک وجہ ہے کہ مسلمانوں کی عمومی طاقت وقت کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتی گئی حالانکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

اعمال کے نتائج

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک بار ایک دوسرے صحابی ربیعہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ سخت الفاظ کہے اور فوراً اپنے کیے پر پشیمان ہوئے۔ جب انہوں نے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان سے اسی طرح کے الفاظ کہے تاکہ جو کچھ ہوا اس میں توازن پیدا ہو جائے، تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جب یہ معاملہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے ربیعہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا کریں، جس پر مؤخر الذکر روتے ہوئے اپنی میٹنگ چھوڑ گئے۔ مسند احمد، 4/58-59 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ یہ ظاہر تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ گناہ اور گندے الفاظ نہیں بولتے تھے، کیونکہ یہ ان کی فطرت کے خلاف تھا، کم از کم وہ اپنی سختی پر پشیمان تھے کیونکہ وہ دوسروں پر ظلم کرنے کے انجام سے پوری طرح واقف تھے۔ اس کے نتائج، جنہیں مسلمان اکثر بھول جاتے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ مثلاً روزہ اور نماز جمع کرتا ہے لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

مبارک اعمال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ ان میں سے کون روزہ دار تھا، کس نے اس دن جنازے میں شرکت کی، کس نے اس دن کسی مسکین کو کھانا کھلایا اور کس نے عیادت کی؟ اس دن ایک بیمار شخص صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اس دن جتنے بھی مبارک اعمال بیان کیے ہیں وہ کر چکے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ جس کے کردار میں یہ اعمال جمع ہوں گے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2374 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ہر وقت نیک اعمال کی تلاش و جستجو کریں اور اس سلسلے میں سستی نہ کریں۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الٰہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں.

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

" اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی عذر کے ایک فرض روزہ بھی پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی

ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو بتانے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں مذکور اگلا نیک عمل جنازہ میں شرکت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق درج کیے ہیں۔

جب ممکن ہو ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں ان حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ شرکت کرے کیونکہ ہر شریک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے جتنے زیادہ مسلمان حاضر ہوں گے اتنا ہی بہتر ہے۔ جس طرح کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے جنازے میں شرکت کریں اور ان کے لیے دعا کریں وہ بھی دوسروں کے لیے ایسا کرے۔ اس خاص عمل میں ایک مسلمان کے لیے ایک اچھی یاد دہانی ہے کہ وہ بھی آخرکار مریں گے۔ امید ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ان کے طرز عمل میں بہتری آئے گی تاکہ وہ ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اپنی موت کے لیے بہتر طور پر تیاری کریں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلا نیک عمل ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس سے ان کی حفاظت ہوگی۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری نیک عمل بیمار کی عیادت کرنا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6551 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ جو مسلمان کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے وہ جنت کے باغ میں ہے یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں کسی بھی بیمار کی عیادت کرنا شامل ہے خواہ وہ کسی بھی عقیدے سے ہو۔ حالانکہ یہ بلاشبہ ایک عظیم کام ہے، ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نیک عمل کو سب سے پہلے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔ اگر وہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں جیسے لوگوں کو دکھاوے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر حاصل نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ انہیں چاہیے کہ وہ بیماروں کی عیادت کے آداب اور شرائط کو پورا کریں تاکہ ان کا ثواب حاصل کیا جا سکے۔ انہیں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے، جس سے بیمار شخص اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس دن اور عمر میں بیمار اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان کی عیادت کریں کیونکہ ایک بیمار شخص دن بھر آرام کر رہا ہو گا۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ بیماروں کو صبر کرنے کی ترغیب دیں اور اس سے وابستہ انعامات پر بحث کریں اور عام طور پر دنیا اور آخرت کے حوالے سے فائدہ مند امور پر گفتگو کریں۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114:

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا " حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

آسمانی تالاب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ آسمانی حوض میں (قیامت کے دن (آپ کے ساتھی اور غار میں آپ کے ساتھی تھے۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3670 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

آسمانی پول اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا تھا اور قیامت کے دن دیکھا جائے گا۔ آسمانی تالاب کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 6579 میں موجود ہے۔ اس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اس کی پوری لمبائی کو عبور کرنے میں ایک مہینہ لگتا ہے، اس کی بو خوشبو سے زیادہ اچھی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے جو ایک بار پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ آخری نکتہ انتہائی اہم ہے کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کو شدید اور ناقابل تصور پیاس لگے گی۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا جس کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ پسینہ آئے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اس تالاب سے پینا چاہتا ہے خواہ اس کے ایمان کی مضبوطی کتنی بھی ہو۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو صرف اس کے حصول کی امید کرنے کے بجائے خود کو اس سے پینے کے لائق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، خاص طور پر وہ چیزیں جو آسمانی حوض تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، صحیح مسلم، نمبر 5996 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں خبردار کیا گیا ہے کہ کچھ مسلمان جنہوں نے اسلام میں بدعتیں ایجاد کیں، انہیں حراست میں لے لیا جائے گا اور آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روک دیا جائے گا۔ سنن نسائی نمبر 4212 میں موجود ایک اور حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ ظالم حکمرانوں

کے جھوٹ اور غلط کاموں کی حمایت اور یقین کرتے ہیں وہ آسمانی تالاب تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کے لیے جو آسمانی تالاب تک پہنچنے اور پینے کی خواہش رکھتے ہیں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔

اللہ کے لیے محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے، آپ نے اپنی بیوی کا نام عائشہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا آدمی سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے اپنے والد کا نام ابو بکر رضی اللہ عنہ رکھا۔ صحیح بخاری نمبر 3662 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

آج کل کے اکثر لوگوں کے برعکس، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے محبت کرتے تھے۔ یعنی اس کی محبت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی نہ کہ دنیاوی اسباب کے لیے۔

صحیح مسلم نمبر 6548 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان دو لوگوں پر سایہ فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ روز محشر.

اللہ تعالیٰ ان دونوں لوگوں کو اس دن سایہ عطا فرمائے گا جب سورج کو مخلوق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر لوگ گرمیوں میں سورج کی تپش کا مقابلہ کرنے کے لیے جدوجہد کریں تو کیا قیامت کے دن گرمی کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

خدائے بزرگ و برتر کے لیے محبت اس قدر ثواب کا باعث بنتی ہے کہ اس جذبے پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔ اور جس کو اس پر قابو پانے کی سعادت حاصل ہو گی وہ اسلام کے فرائض سیدھے آگے پورا کرتا ہوا پائے گا۔ ان فرائض میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ اسی وجہ سے سنن ابوداؤد

نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کو ایمان کی تکمیل کا پہلو قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنا، دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ یہ عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر ہونا چاہیے، معنی کے مطابق دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا نہ صرف انعام کو منسوخ کرتا ہے بلکہ ان کی بے وفائی کو بھی ثابت کرتا ہے کیونکہ وہ صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کا منفی احساس، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت کرنا شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ حقیقت میں مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

دولت کمانے کی اہمیت

اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ تر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے، پھر بھی یہ چیز انہیں تجارت کی خاطر سفر کرنے سے باز نہ آئی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 173 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ کسی کے حلال رزق کے لیے کوشش کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان حلال کام کرنے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں رہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ بحیثیت مسلمان کو اپنے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

معاہدہ حدیبیہ

آگے کو دبانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہونا۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ چونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے وہ مکہ کی طرف بڑھیں اور اگر انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا گیا تو وہ اپنے دفاع میں لڑیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 125-126 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان کو اس سے نکلنے کا راستہ فراہم کرے گا چاہے اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے خواہ مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا

ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس عظیم واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر کرتا ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے بغیر شکایت کیے یا اس کے انتخاب پر سوال کیے بغیر۔

ایمان میں متحد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہونا۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ آخرکار جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کردیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اس دن آپ سے جو بھی درخواست کریں گے وہ قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ .
مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں میں سے ان میں سے ایک عروہ بن مسعود تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور قبیلہ، نسل اور سماجی طبقے کے لحاظ سے ان میں کتنا فرق تھا، آپ نے اعلان کیا کہ اگر مکہ کے غیر مسلموں نے صحابہ کرام پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائیں گے۔ بھاگ جائے گا . عروہ کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی لوگ ہوں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے اور لڑیں گے، ان کے اپنے قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ وہ اور بہت سے دوسرے لوگ اس پر یقین رکھتے تھے کیونکہ قبائلی وابستگی ان کے لیے سب کچھ تھی۔ عروہ کے خیالات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور واضح کر دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 226 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب

عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ بیعت کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے میں رکھا اور فرمایا کہ اس کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ مبعوث اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں، جیسے باب 48 الفتح، آیت 10:

’’ درحقیقت جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو اس کی بات کو توڑتا ہے وہ اسے اپنے ہی نقصان کے لیے توڑتا ہے۔ اور جس نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

اور باب 48 الفتح آیت 18:

’’یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی، اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، اس لیے اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد فتح سے نوازا۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227-228 اور صحیح بخاری نمبر 4066 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 میں آیا ہے:

’’اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل

کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔ .

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پھوٹ پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

جب شک ہو تو ثابت قدم رہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال واپس تشریف لے جائیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان حالات سے راضی نہیں تھے کیونکہ وہ ظاہری طور پر مکہ کے غیر مسلموں کے حق میں نظر آتے تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس معاملے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور بعد میں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اپنے مشن کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ ناکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب اور رویہ ان کے پختہ ایمان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مسلمانوں کو ایمان کا یقین حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، کیونکہ یہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ایمان کی کمزوری ہے۔ یہ ایک قابلِ ملامت خصوصیت ہے جو دوسری منفی خصوصیات کو جنم دیتی ہے، جیسے اپنے علم پر عمل نہ کرنا، دوسروں سے ڈرنا، لوگوں کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر فوقیت دینا، بغیر کوشش کے معافی کی امید رکھنا اور دیگر ناپسندیدہ خصوصیات۔ خصوصیات ایمان کی کمزوری کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جیسے فرائض سے غفلت۔ ایمان کی کمزوری کی اصل وجہ اسلام سے لاعلمی ہے۔

اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ آخرکار ایمان کے اس یقین تک پہنچ جائیں گے جو اس قدر مضبوط ہے کہ یہ انسان کو تمام آزمائشوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرے۔ یہ علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ تعلیمات جن میں فرمانبرداروں کے لیے اجر کے وعدوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے لیے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سے ایک مسلمان کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف کھینچنے اور دھکیلنے کے طریقہ کار کی طرح کام کرتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کے اندر کی تخلیقات پر غور و فکر کرکے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ جب صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی مسلمان رات اور دن کے بارے میں غور و فکر کرے اور یہ کہ وہ کس حد تک مطابقت میں ہیں اور ان سے جڑی دوسری چیزوں کو وہ واقعی یقین کریں گے کہ یہ کوئی تصادفی چیز نہیں ہے، یعنی ایک طاقت ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہر چیز گھڑی

کی طرح چلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت ہے۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی رات اور دن کے کامل وقت پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی معبود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا کی خواہش ہوتی کہ رات اور دن ان کی اپنی خواہشات کے مطابق ہوں۔ یہ سراسر افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ایک خدا سورج کے طلوع ہونے کی خواہش کرسکتا ہے جبکہ دوسرا خدا رات کو جاری رکھنے کی خواہش کرسکتا ہے۔ کائنات کے اندر پایا جانے والا کامل بلاتعطل نظام یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف ایک ہی خدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

ایک اور چیز جو ایمان کو مضبوط کر سکتی ہے وہ ہے عمل صالح پر قائم رہنا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا۔ جیسا کہ ایمان ایمان ہے جس کی تائید اعمال سے ہوتی ہے جب گناہ سرزد ہوتے ہیں تو کمزور ہوتے ہیں اور جب اچھے اعمال کیے جاتے ہیں تو تقویت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5662 کی حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ مسلمان جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

ایک واضح فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد آخرکار مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھی جو ظاہری طور پر غیروں کے حق میں تھیں۔ مکہ کے مسلمان۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر زیارت)عمرہ (کئے مدینہ واپس آگئے جو کہ معاہدہ کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر اس پر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب معاہدہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا اس نے اپنے آنے کے بعد پچھلے تمام سالوں میں کیا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1:

‘‘بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ اسلام میں حدیبیہ کے معاہدے سے بڑی کوئی فتح نہیں۔ اگرچہ اس وقت لوگوں کو اس کے ثمرات کا احساس نہ تھا لیکن ان کی کم نگاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بتدریج فتح کا منصوبہ بنایا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حجۃ الوداع کے دوران انہوں نے سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور اطاعت کا مشاہدہ کیا جنہوں نے بالآخر اسلام قبول کیا، حالانکہ معاہدہ حدیبیہ کے دوران اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تھی۔ اس پر ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم فتح پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

یہ فضیلت اور کامیابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے عطا ہوئی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اخلاص کے ساتھ اطاعت گزار رہے۔ وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"۔ "

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

شیطانی سازشیں ناکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے مسلم قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ واپس آگئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ بھاگ گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں، ابو بصیر رضی اللہ عنہ، فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا، کیونکہ صلح کے معاہدے میں ان کو شامل نہیں کیا گیا تھا، صرف مدینہ کے شہری شامل تھے۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور یہ لوگ امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

"اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"... لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

مشورہ قبول کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا جب انہوں نے مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے صلح کو توڑ دیا۔ خیبر کے محاصرہ کے دوران بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی روح کو توڑنے کے لیے کچھ پھل دار درختوں کو کاٹنے کی اجازت چاہی جو اہل خیبر کے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا کہ چند درختوں کی قربانی قبول ہے۔ دشمن کے جذبے کو توڑنے سے دونوں طرف سے ہلاکتوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ یعنی انسانی جان کا تحفظ کچھ درختوں کے تحفظ سے زیادہ ضروری تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ہو رہا تھا اس کی گواہی دینے کے بعد، پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں تاکہ باقی ماندہ پھل دار درختوں کو آئندہ کے لیے محفوظ رکھا جا سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور مناسب حکم دیا، کیونکہ دشمن کی روح کو توڑنے کا ان کا ابتدائی مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 132-133 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں عام طور پر چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ علم رکھنے والوں سے مشورہ کریں۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہوگا اسی طرح ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اس کے بارے میں اور ان سے جڑی اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں . اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

‘‘اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں’’۔

شہرت کی تلاش

ساتویں سال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد دھت سلسل کی فوجی مہم کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک اور صحابی نے کچھ عمومی مشورہ طلب کیا۔ رافع ابن عمرو رضی اللہ عنہ۔ اس نے اسے مشورہ دیا کہ وہ لیڈر نہ بنیں، یہاں تک کہ دو لوگوں سے زیادہ۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایک وقت آئے گا جب قیادت کی باگ ڈور کم خدمت لوگوں تک پھیل جائے گی۔ جب یہ لوگ انصاف نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت انتقام لے گا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 134-135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے

خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

قائدین سے اخلاص

ساتویں سال کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دھت سلسل کی فوجی مہم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے دوسرے بزرگ صحابہ کو عام سپاہیوں کی طرح اس مہم میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ایک سرد رات میں عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ نہ جلائیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن انہیں دیکھ لے۔ اس کے نتیجے میں دشمن کا غیر متوقع حملہ ہو سکتا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھا اور آپ سے ناراض ہو گئے، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں پرسکون کیا اور انہیں یاد دلایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا رہنما مقرر کیا ہے کیونکہ وہ جنگ کے بارے میں جانتے تھے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 136-137 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے قائد کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے ۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

دورہ)عمرہ(

کمزوری کے بغیر عاجزی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ (کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی مشکل اور پریشانی میں ہیں۔ غیر مسلم بیت اللہ، کعبہ کے قریب قطار میں کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہی دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس دن طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ اپنی طاقت دکھانے کے لیے انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جزوی طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 308 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی اختیار کرنے والے کو بشارت دی ہے جو بغیر کسی عیب یعنی کمزوری کے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ آسانی سے اسے قبول کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا آخری انجام یا دوسروں کا آخری نتیجہ ان کے لیے نامعلوم ہے۔ یعنی وہ مر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انسان کو غرور کے مہلک گناہ سے روکنا چاہیے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ

دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان کی عاجزی ان کی بے عزتی اور بے عزتی کا باعث بنتی ہے۔

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

کامل ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک دوسرے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبیلے پر حملہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند . ابو سفیان نے بہت سے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کریں۔ اس نے ان کے ساتھ مختلف وابستگیوں کو درج کیا تاکہ ان پر فتح حاصل کی جاسکے جیسے کہ قبائلی اور رشتہ داریاں لیکن سب نے ایک ہی طرح سے جواب دیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدے کی تجدید یا تجدید نہ کرنے پر راضی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے فیصلہ اپنے رہنما پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کی خدائی رہنمائی شدہ انتخاب پر بھروسہ کرے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 381-382 میں بحث کی گئی ہے۔

بالخصوص جب ابو سفیان نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے ان سے کہا کہ جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفاع کریں گے وہ بھی دفاع کرے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر ایک چیونٹی بھی مکہ کے غیر مسلموں سے لڑ رہی ہو تو وہ ان کے خلاف اس کی مدد کرے گا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 139 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب ان کے کامل ایمان کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور نفرت کرتے تھے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

نجی گفتگو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ وہ اکثر مدینہ شہر کی حفاظت کے لیے عام لوگوں سے فوجی حکمت عملی کی معلومات چھپاتا تھا اس لیے اس نے اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مہم کے لیے کھانا تیار کرنے کے لیے مطلع کیا لیکن اسے خفیہ رکھنے کو کہا۔ جب ان کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھانا تیار کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اس کی حرکتوں پر سوال کیا لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ پوچھتا رہا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور کئی مقامات کی فہرست دی گئی تھی۔ لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 382 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ خفیہ رکھنا چاہیے جب تک کہ اسے پوری طرح یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے اسے کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ان کے ساتھ خیانت کرے گا جو ان کے مخلص ہونے کے خلاف ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں سے روکتی ہے اور

ایک دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات کا اظہار کیا ہے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہیں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا نہ کہ ان کے بارے میں جو انہوں نے براہ راست دیکھا تھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6065 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

چیزوں کو آسان بنائیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بزرگ والد کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے تاکہ وہ اسلام قبول کر سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں آتے دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے بوڑھے والد کو گھر پر کیوں نہیں چھوڑا اور آپ خود ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے والد کے لیے یہ زیادہ مناسب تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، پھر دوسری طرف۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 398-399 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمان ہمیشہ اپنے مکمل حقوق اور دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے دور میں جہالت کی وجہ سے والدین جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6655 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں پر رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اس رحمت کا ایک پہلو مسلمان کے لیے یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں، جب کوئی مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو

یہ ان کی سزا کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں پر رحم کرنے کے لیے انہیں صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو پریشان کیے بغیر ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں تو وہ خود کر سکتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔

حنین کی جنگ

مشکل میں ثابت قدم رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بنیاد پر قائم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آخرکار جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ان کو بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 451 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 141 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو‘‘

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ’’خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

عادل ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بنیاد پر قائم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آخرکار جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ان کو بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 451 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 141 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا۔ فتح کے بعد انہیں بتایا گیا کہ جو بھی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے دشمن کے سپاہی کو مارا ہے، اسے ان کے ہتھیاروں جیسے سامان لینے کی اجازت ہوگی۔ ابتدا میں کسی نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کی تصدیق نہیں کی، یہاں تک کہ کسی دوسرے نے تصدیق کر دی کہ دشمن کے جس سپاہی کو اس نے مارا تھا اس کا مال اس کے پاس تھا۔ اس شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی اور تبصرہ کیا کہ جب وہ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے کسی ایک کے ہیں، یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے مال رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 142-143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال واضح طور پر ان کی عدل و انصاف پر دلالت کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے ۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے برسوں پہلے، مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف کے لوگوں کو تباہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، کی وجہ سے روک دیا تھا۔ اس کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کا۔ لیکن اس نے اس اختیار کو ٹھکرا دیا اور اس صحیح بخاری نمبر کے بجائے تبصرہ کیا کہ اسے امید ہے کہ وہ بالآخر اسلام قبول کر لیں گے۔ تحفظ کا یہ انتخاب جاری رہا اور میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ 3231 مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے روک دیا۔

مزید برآں طائف کے لوگوں نے آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ دوسرا موقع دیا کہ انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد

سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

" اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

ہجرت کے بعد نواں سال

تبوک کی جنگ

سچی عقیدت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

اس عظیم مہم پر روانگی سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے لوگوں کو اس میں مالی تعاون کرنے کی ترغیب دی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے چھوڑا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3675 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ باب 3 علی عمران آیت 92 سے مربوط ہے:

’’تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند ؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

بہترین بنیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

جب فوج تھانیۃ الوداع پہنچی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم مہم کے لیے اپنے سپہ سالاروں کا انتخاب کیا۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک جھنڈا دیا اور سب سے بڑا جھنڈا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کمانڈروں کے سردار ہیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 147 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا عام طور پر دیکھا جائے تو ہونے والا بہترین گروہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ سوار تھے۔ ریگستان میں جب وہ ایک بدو سے ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات . کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔

یہ اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ آخرت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہوں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا

ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

ایک مبارک قبر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ غزوہ کے دوران ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ آدھی رات کو اٹھے اور روشنی دیکھی۔ جب وہ تحقیق کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو ایک صحابی ذی الحجہ کی قبر کھودتے ہوئے پایا۔ اس سے خوش ہوں، جو انتقال کر گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تھے جب کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ذی الحجہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو صحیح طریقے سے قبر میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح راضی ہونے کی درخواست کی جس طرح وہ آپ سے راضی تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ ان کی قبر ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 22-23 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے ضروری اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

حق کے اندھے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ دوران سفر فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی۔ اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا سے ہاتھ نیچے کرتے بارش شروع ہو گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نوٹ کیا کہ بارش صرف ان کے پڑاؤ پر پڑی تھی اس سے آگے نہیں۔ جب ایک منافق سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے بعد بھی وہ اسلام کی مزید دلیل چاہتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو بادل ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 10-11، اور امام محمد السلبی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 148-149 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

" پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے..."

چاہیے کہ وہ اس قسم کے لوگوں سے الگ جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں انہیں اس وقت معاملے میں بھی اس لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ۔ پر توجہ مرکوز کریں دوسروں ہو کر ایک مسلمان کو گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی
:63 باب 25 الفرقان، آیت بھی وقت توبہ کر سکتے ہیں۔

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ بلاشبہ ایک دن آئے گا جب اللہ
:باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔

" اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ نمبر 4244 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس ۔ کہ گناہ کیسے ہوتا ہے
:باب 83 المطففین، آیت 14 کا روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے اور اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ انہیں دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا
کے پہلے سے جو اس ذہن بناتا ہے اور پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے
طے شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے
پہلی ذہنیت صرف ذاتی ۔ مضبوط شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
میڈیا سطح سے لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون کے کام کی .وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ ثبوت کے بٹس تلاش کریں۔
کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف
دعوت دینے پر توجہ دیں۔

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب غزوہ تبوک پہنچا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی" :لوگو، سب سے زیادہ سچی تقریر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ بندوں میں سب سے مضبوط لفظ)ایمان کی گواہی (ہے۔ سب سے افضل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ زندگی کے بہترین طریقے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ہیں۔ سب سے افضل کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بہترین روایت قرآن پاک ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور کیے گئے ہیں۔ بدتر طرز عمل وہ ہیں جو اختراع شدہ ہیں۔ بہترین رہنمائی انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ مرنے والوں میں سب سے افضل شہید کے طور پر مارا جا رہا ہے۔ سب سے اندھی چیز ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو نفع بخش ہوں۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے)بدعت نہیں(۔ بدتر اندھا پن)روحانی (دل کا ہے۔ اوپر والا ہاتھ)صدقہ دینے والا (نیچے والے ہاتھ)صدقہ لینے والے (سے بہتر ہے۔ جو تھوڑا ہے لیکن کافی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہے لیکن فضول ہے۔ بدترین معافی وہ ہے جب موت قریب ہو۔ قیامت کے دن بدترین توبہ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صرف اس کے آخر میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر بے فائدہ کرتے ہیں۔ گناہوں میں سے بدتر جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مال وہ ہے جو نفس کی)قناعت (ہے۔ بہترین صفات تقویٰ ہے۔ حکمت کی انتہا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل کی بہترین خوبی یقین)ایمان (ہے۔ شک کرنا کفر میں سے ہے۔ ماتم میں نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت)قبل از اسلام (کا عمل ہے۔ دھوکہ جہنم میں پھیلی ہوئی مٹی کا ہے۔)زیادہ تر (شاعری شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں)مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے (شیطان کے پھندے ہیں۔ جوانی جنون کی ایک شاخ ہے)کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے(۔ بدتر آمدنی سود سے ہوتی ہے۔ بدترین کھانا یتیموں کا مال کھا رہا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جسے دوسروں کے اعمال سے ڈرایا جائے۔ تم میں سے کسی کو آخرت کی طرف لے جانے کے لیے معاملہ)موت (کے لیے صرف چار بازو دور جانا ہے۔ کسی عمل کی بنیاد اس کے نتائج سے طے ہوتی ہے۔ حکایتوں میں بدتر وہ ہیں جو جھوٹی ہیں۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے۔ مومن کو گالی دینا غضب ہے۔ مومن سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا)غیبت (

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، اس نے اس کو جھوٹا کہا۔ جو اس کی بخشش مانگے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جو غصے کو دبائے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرے گا۔ جو شہرت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔ جو ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ‘‘اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 16-17 میں بحث کی گئی ہے۔

سپورٹنگ گڈ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال غیر مسلم قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والے ایک وفد نے اسلام قبول کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلے میں سے ایک عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ اس سے خوش .اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا، کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخرکار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 145-146 میں بحث کی گئی ہے۔

عثمان کو نامزد کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاشرے کی بھلائی میں مدد کرنے کا اپنا فرض پورا کیا۔ اس نے اسے دنیاوی وجوہات کی بنا پر نامزد نہیں کیا، جیسے خاندانی سلسلہ، یا بدلے میں کچھ حاصل کرنے کی امید۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی وہ گروہ اتنا ہی مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی تردید کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے 5:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر اچھے کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشرووں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کون عمل کر رہا ہے بجائے اس کے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ صحیح کام یہ تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ نامزد کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور

اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

مقدس زیارت کو پاک کرنا

علم کی اہمیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ اعلان کریں کہ صرف ایک مسلمان ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس سال کے بعد حج کرنا۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اور اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے بارے میں گہری معلومات کی وجہ سے حجاز مقدس کا انچارج مقرر کیا گیا تھا، کیونکہ انچارج شخص بہت سے قانونی مسائل سے نمٹتا تھا اور حجاج سے باقاعدگی سے خطاب کرتا تھا۔ اس سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے

علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک مسلمان کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ اعلان کریں کہ صرف ایک مسلمان ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس سال کے بعد حج کرنا۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اور اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس اعلان کو عام کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حجاج میں شامل ہونے کے لیے روانہ کیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو انہوں نے فوراً دریافت کیا کہ کیا آپ کو ان سے قیادت سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا ہے یا کوئی پیغام پہنچانے کے لیے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سنن نسائی نمبر 2996 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تبدیل کرنے میں کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مخلص تھے۔ یعنی اسے قیادت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کرنا چاہتا تھا۔ یہ اخلاص ایمان کا جوہر ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معانی، قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اخلاص ہے۔ اس پر درود ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم سے متصادم ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے ۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ ان میں ایک جھوٹی مسیلمہ بھی تھی جس نے مدینہ پہنچ کر کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا جب ان کے بعد انہیں ملت اسلامیہ کا سربراہ مقرر کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ڈرایا گیا کہ مسیلمہ، جھوٹی، آخرکار نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سزا دینے کے بجائے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 66 میں بحث کی گئی ہے۔

جب مسیلمہ، جھوٹا، یمامہ واپس آیا، تو اس نے آخرکار نبوت کا اعلان کیا اور دنیاوی چیزوں کے لالچ میں، اس کے بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھ کر اپنے اعلان سے آگاہ کیا اور آپ سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکمرانی کے معاملے میں شریک ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب 7 الاعراف آیت 128 کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں ایک خط واپس بھیجا:

"... بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور [بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔‘‘

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 452-454 میں بحث کی گئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹا، نے قرآن پاک سے مماثل آیات تحریر کرنے کی کوشش کی اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ بھی الہی وحی حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ یہ میری طرف وحی ’’ کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں کی گئی ہے، اور وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں وحی کروں گا جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے۔ "اور کاش تم دیکھ سکتے کہ جب ظالم موت کی سخت اذیت میں ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اپنی جانوں کو نکالو آج تم کو اس کی رسوائی کی سزا دی جائے گی جو تم کہتے تھے۔ حق کے سوا اللہ کے خلاف اور "تم اس کی آیات کی طرف متکبر تھے۔

جب اس نے یہ کوشش کی تو عقل رکھنے والوں پر اس کی بے وقوفی زیادہ عیاں ہو گئی کیونکہ اس کی تحریر کردہ شاعری بے مقصد باتوں پر مبنی تھی جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس نے اندھی وفاداری کے ذریعے پیروکاروں کو حاصل کیا اور ان سے دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں کا وعدہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 480 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 6:93، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ، جھوٹے کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ واشی جبیر بن مطعم کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ غزوہ احد کے دوران جو کہ تیسرے سال پیش آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، واشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ ابن عبدالمطلب کو قتل کر دیا۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ برسوں بعد، واشی نے اسلام قبول کیا اور مسیلمہ، جھوٹے کے خلاف مہم میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین انسان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے زمین پر بدترین انسان کو مارنا چاہا۔ جنگ کے دوران، واشی نے مسیلمہ، جھوٹے پر نیزہ چلایا، اور اسے جان لیوا زخمی کر دیا۔ ایک اور صحابی ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے پھر مسیلمہ کو جھوٹا ختم کر دیا۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹے کی طرح، ایک شخص کو تمام حلال حدوں کو پار کرنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے جب وہ دولت اور سماجی حیثیت سے شدید محبت رکھتا ہو۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک

خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

حرام سے بچنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے ایک خادم نے کھانا پیش کیا۔ اس کے ماخذ کے بارے میں پوچھنے سے پہلے، جو اس کی معمول کی عادت تھی، اس نے ایک کاٹ کھایا، کیونکہ اسے بھوک لگی تھی۔ آخر کار جب خادم نے اسے بتایا کہ کھانا کچھ مشرکوں نے دیا ہے جو شادی کی تقریب میں شریک تھے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے اور اس خوف سے قے کرنے لگے کہ کھانا ان کے لیے حرام ہے۔ اس کے بعد اس نے نصیحت کی کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو جسم حرام پر پرورش پاتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 48 میں بحث کی گئی ہے۔

ناجائز استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ "[

ہجرت کے بعد 10 واں سال

الوداعی مقدس زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 152 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر

کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

ایک عمدہ انتخاب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو کچھ زمین پر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور بندے نے منتخب کیا تھا جو اللہ کے پاس ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر رو پڑے کیونکہ وہ اس بندے کو جانتے تھے جس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کر رہے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 328-329 اور صحیح بخاری نمبر 3654 میں موجود ایک حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے اسلام کے ایک کلیدی تصور کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مسلمان اکثر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جب وہ دنیاوی چیزوں کی خواہش رکھتے ہیں تو مساجد میں رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے ہیں تو وہ بے صبرے اور تنگ آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں ۔ یا اگر انہیں حاصل ہو جائے تو ان کی خوشی اکثر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتی ہے، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے وہ حاصل کر لیا جو انہوں نے چاہا، اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

یہ مسلمان دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہے ہیں اور انہیں ملنے والے تحفے اور نعمتیں ہیں۔

جنت جیسی مذہبی نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا قابل تعریف ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات نے اس کی سفارش کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت افضل ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے اور اس لیے کہ مخلوق اس کے بندے ہیں۔

اگر ایک مسلمان کو تحفے اور نعمتوں کی خواہش کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ دینی نعمتوں کی نیت کرے کیونکہ دنیاوی نعمتوں کا مقصد انسان کی نیت کو بدل سکتا ہے تاکہ وہ دینے والے کی بجائے تحفے کی عبادت کرنے لگے۔

ذرائع کا صحیح استعمال کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے اعلان کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اپنے نفس اور مال کے لحاظ سے کسی نے احسان نہیں کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3654 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہٰذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر

شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

ایک جانشین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے اعلان کیا کہ مسجد کے تمام دروازے جو لوگوں نے اپنے لیے بنائے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ بند کر دیے جائیں۔ اس سے خوش رہو .
صحیح بخاری نمبر 3654 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ عوامی اعلان اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین کون ہوگا۔ مسجد تک براہ راست رسائی امامِ نماز کے لیے مختص ہے، جو وہی شخص تھا جو لوگوں کی حکومت اور امامت کرے گا، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کردار کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین انداز میں نمائندگی کی۔ مسلمانوں کو اسلام مسلمانوں کے کے سفیر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کریں۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو

چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ، اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنا فرض ادا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان پر ناراض ہو گا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔

ایک عملی رول ماڈل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب آپ کی بیماری شدت اختیار کرگئی تو آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پا رہے تھے اور وہ نماز میں تاخیر کی خواہش نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اس کے بجائے، نماز کی امامت کرنا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سن کر اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے انکار نہیں کرتے۔ اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے، انہیں حکم دیا کہ نماز پڑھاؤ ورنہ وہ کبھی نہ پڑھ سکتے۔ ایسا کیا ہے .عبداللہ رضی اللہ عنہ نے معذرت کی لیکن مزید کہا کہ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے غائب تھے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نماز پڑھانے کے لائق نہیں تھا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332-333 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ واقعہ، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، واضح طور پر اشارہ کرتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے لیے مطلوبہ انتخاب تھے۔ اس کے علاوہ یہ خاص واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہاں تک اشارہ کر دیا کہ اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان پاکیزہ ارواح کو قیادت کے لیے چنا گیا کیونکہ ان میں ایک اچھے رہنما کی صفات موجود تھیں۔ جن میں سے سب سے بڑی مثال پیش کر رہی ہے۔ اس خوبی کو تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے اسلام کا نمائندہ ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی علم کے اجتماع میں شرکت کے لیے کئی دن سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب لاتعداد لیکچر آن لائن مل سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے صحیح راستے سے لاعلمی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حفظ کر کے علم حاصل کیا ہے، لیکن ان کا استعمال اپنی سیرت کو سنوارنے کے لیے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں وہ اپنی نصیحت سے دوسروں کے دلوں پر اثر کرنے کی طاقت کھو دیتے ہیں۔ کچھ لیکچررز نیوز بلیٹن کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کی ترغیب دیے بغیر صرف معلومات فراہم کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعے دوسروں کی رہنمائی کرنے کے اپنے فرض میں ناکام رہتے ہیں۔ غیر مسلم بنیادی طور پر ایک کامیاب مسلمان کی عملی مثال دیکھنے کے بجائے اسلام کی اپنی تحقیق کے ذریعے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنے کردار کی تطہیر کو اپنی اولین ترجیح بنائے۔ باب 61 الصف، آیت 3:

''اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔''

جب کوئی اس طرح سے کام کرتا ہے تو تھوڑا سا درست علم خود پر اور دوسروں پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ جبکہ اس صحیح رویہ کو رد کرنے والے زیادہ علم کے مالک ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کسی پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے شخص کی وضاحت کی گئی ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا(اس گدھے کی طرح ہے جو]کتابوں کی [جلدیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

سب سے زیادہ علم والا

ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس نے اس اور بہت سی دوسری بابرکت چیزوں میں ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ مثال کے طور پر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شرعی احکام جاری نہیں کرے گا۔ اسے امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 18 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی آخری بیماری کے دوران جماعت کی امامت کے لیے مقرر کیا تھا، یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ علم والے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نماز باجماعت کی امامت کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 682 میں ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1532 میں ہے کہ جس کو قرآن کریم کا سب سے زیادہ علم ہو وہ نماز کی امامت کرے۔ اور اگر اس لحاظ سے لوگ برابر ہوں تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو اسے نماز کی امامت کرنی چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان خواہ اس کے ایمان کی مضبوطی ہو دونوں جہانوں میں بھلائی کا خواہاں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمانوں کا غلط خیال ہے کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ حقیقی دیرپا بھلائی اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں

ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کر دی ہے کہ بھلائی کہاں ہے پھر بھی یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ آج کے دور کے مسلمانوں کو دی گئی اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

سچائی کی تصدیق کرنا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ درج ذیل آیت سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاص طور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بالعموم دوسروں کی طرف ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 33:

"اور وہ جو حق لے کر آیا اور اس پر ایمان لایا)ابوبکر رضی اللہ عنہ (وہی لوگ صالح ہیں۔"

اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 میں بحث ہوئی ہے۔

جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے تمام معاملات میں سچائی کو اپنانے والے شخص تھے، انہوں نے اسلام کی سچائی کو آسانی سے قبول کیا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد

ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

باہمی مشاورت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار نصیحت کی کہ درج ذیل آیت میں خاص طور پر ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور عام طور پر دوسروں کی طرف اشارہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

" پس اللہ کی رحمت سے، آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی اور اس معاملے میں ان سے مشورہ کیا..."

اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ علم رکھنے والوں سے مشورہ کریں۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہوگا اسی طرح ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اس کے بارے میں اور ان سے جڑی اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں . اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

احتساب سے ڈرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ درج ذیل آیت خاص طور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور عام طور پر دوسروں کے لیے نازل ہوئی تھی۔ باب 55 الرحمن، آیت 46:

"لیکن جو اپنے رب کے مقام سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو باغ ہیں۔"

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 تا 29 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مقام اس طرف اشارہ کر سکتا ہے کہ جب کوئی شخص قیامت کے دن اپنے آخری حساب کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہو گا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان سے بہتر نہیں جانتا۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

" پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

تحفظ ختم نبوت

عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا ہے کہ درج ذیل آیت خاص طور پر ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور عام طور پر دوسروں کے لیے۔ باب 66 تحریم، آیت 4:

’’لیکن اگر تم اس کے خلاف تعاون کرو گے تو بے شک اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبرائیل اور مومنین کے صالحین...‘‘

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 تا 29 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا جوہر اخلاص ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

والدین کی عزت کرنا

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مشورہ دیا ہے کہ درج ذیل آیات خاص طور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور عام طور پر دوسروں کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ باب 46 الاحقاف، آیات 15-16:

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے اسے ’’ مشقت کے ساتھ پالا اور مشقت کے ساتھ اسے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور نیک کام کروں۔ جسے تو منظور کرے گا اور میری اولاد کو نیک بنا دے گا، میں نے تیرے حضور توبہ کی ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین اعمال کو قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے،]ان کا [ساتھیوں میں سے ہونا۔ یہ سچا وعدہ ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 29 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ بہت سے اسباق پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن ایک اہم چیز جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے سیکھی جا سکتی ہے، وہ ہے والدین کی عزت کرنا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک مسلمانوں میں ایک مشہور خصوصیت ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے لوگ اس اہم فرض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو صرف اسی کی عبادت کے ساتھ رکھا ہے جیسے کہ باب 17 الاسراء آیت 23:

اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن " سلوک کرو۔ خواہ ان میں سے ایک یا دونوں آپ کے ساتھ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان کو "اُف "نہ کہو، [1] اور ان کو دھتکار نہ دو بلکہ ان سے اچھی بات کہو۔

درحقیقت یہی آیت مسلمانوں کو منع کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کی طرف غصہ میں ایک لفظ بھی بولیں۔ قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار ہونے کو والدین کے شکر گزار ہونے کو ملایا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 14:

‘‘...میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہو ’’

حالانکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے والی لاتعداد احادیث موجود ہیں سنن ابن ماجہ نمبر 3662 میں موجود ایک حدیث اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو جواب دیا جس نے سوال کیا کہ والدین کے کیا حقوق ہیں یہ اعلان کر کے کہ وہ بچے کے جنت یا جہنم ہیں۔ یعنی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ والدین کا فرمانبردار رہنا، جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل نہ ہو، بہت مشکل ہے، خاص طور پر اس دن اور دور میں مسلمانوں کو صبر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور والدین سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان ان سے اختلاف کرتا ہے تو وہ ہر وقت ان کا احترام کر سکتا ہے اور اسے برقرار رکھنا چاہیے۔

ایک نوبل واپسی۔

ایک موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی تلاوت کی گئی :باب 89 الفجر، آیات 27۔ 30:

]نیک لوگوں سے کہا جائے گا[، "اے اطمینان والی جان، اپنے رب کی طرف لوٹ جا، خوش ہو " کر اور]اس سے [راضی ہو، اور میرے]نیک [بندوں میں داخل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا یہ سفر واقعی خوبصورت تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ان کی وفات کے وقت ایک فرشتہ ان سے یہ کلمات کہے گا۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 39 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مطمئن روح کی ایک سب سے اہم خصوصیت جس کی طرف ان آیات کے ساتھ ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اللہ عزوجل کے فیصلوں اور انتخاب پر مکمل طور پر مطمئن ہونا، اور اس طرح اپنے نفس کو برقرار رکھنا ہے۔ تمام حالات میں اس کی مخلصانہ اطاعت۔ اس بابرکت درجے کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ یہ سمجھ لیا جا سکے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے لیے سب سے بہتر فیصلہ کرتا ہے، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔

مثال کے طور پر، والدین اکثر چیزیں لے جاتے ہیں یا اپنے بچوں کو ان کی حفاظت کے لیے کچھ چیزوں جیسے غیر صحت بخش خوراک حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ رویہ اکثر بچے کے غمگین یا غصے کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ اپنے والدین کے اعمال کے پیچھے کی حکمت سے

پوری طرح بے خبر ہوتے ہیں۔ والدین کا یہ رویہ ایک ایسی چیز ہے جسے معاشرے میں بڑے پیمانے پر قبول کیا جاتا ہے اور اسے بجا طور پر ایک اچھے اور ذمہ دار والدین کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض دنیوی چیزوں کو حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں یا روکے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح والدین نقصان دہ چیزوں کو اپنے بچوں سے دور رکھتے ہیں حالانکہ ان کے بچے ان کے انتخاب کی وجہ کو نہیں سمجھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی لا محدود حکمت اور علم کے مطابق اپنی حفاظت کے لیے اس طرح عمل کرتا ہے۔ بندے چاہے لوگ اس کے انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ لہٰذا جب بھی کوئی مسلمان اپنے آپ کو اس حالت میں پائے تو اسے اس سادہ سی مثال پر غور کرنا چاہیے، جسے کوئی بھی شخص اپنے عقیدے سے قطع نظر رد نہیں کرے گا، تاکہ وہ صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے لیے شکر ادا کرنے کی تحریک پیدا کریں۔ انہیں عطا کیا .انہیں غصہ اور بے صبرا ہو کر نادان بچے کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بالغوں کا مقصد بچوں سے بہتر سلوک کرنا ہے۔ درحقیقت، بچوں کو اس طرح کے برتاؤ سے معذرت کی جاتی ہے کیونکہ ان میں علم اور تجربہ کی کمی ہوتی ہے جبکہ بڑوں کو اس کی کمی نہیں ہونی چاہیے اور اس لیے دونوں جہانوں میں ان کے رویے کے لیے جوابدہ ہوں گے۔

مکمل عقیدت

مندرجہ ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اگر میں انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو میں اس پر عمل کرتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اعلان کے سچے ہونے کی تصدیق کی۔ باب 4 النساء، آیت 66:

اور اگر ہم ان پر یہ حکم دیتے کہ "خود کو مار ڈالو "یا "اپنے گھروں کو چھوڑ دو "تو وہ ان میں " سے چند ایک کے علاوہ ایسا نہ کرتے۔ لیکن اگر وہ اس پر عمل کرتے جس کی انہیں ہدایت کی گئی تھی تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور]ان کے لیے ایمان میں [مضبوط مقام ہوتا۔

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 39 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے ان کی مکمل عقیدت ان کے پختہ ایمان کی وجہ سے تھی۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہو گا، وہ اتنا ہی خلوص کے ساتھ اسلام کے احکام کے تابع ہو گا۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے جس سے ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مکمل طور پر مؤخر الذکر گروہ کی حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

’’ جس دن وہ)قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ’’
یہ حق ہے‘‘۔

شاندار کردار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ نیکیوں کی 360 خوبیاں ہیں۔ اور جب بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے ان میں سے کوئی ایک صفت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ذریعے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا آپ میں ان میں سے کوئی ایسی خوبی ہے جس کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سب کچھ میرے پاس ہے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 39-40 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اسلامی علم سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی تقلید کرنی چاہیے تاکہ وہ ان کی برائیوں کو دور کر کے ان کی جگہ اچھی صفات لے آئیں۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار کے حامل کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

کوئی حسد نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفلیں اس وقت تک تنگ ہوتیں جب تک وہ دیوار کی طرح نہ ہو جائیں۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرسی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی، ہمیشہ ان کے لیے خالی رہتی اور کوئی اس کی تمنا نہ کرتا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان اجتماعات میں شامل ہوتے تو اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گفتگو فرماتے، جب کہ دوسرے لوگ غور سے سنتے تھے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 40 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ روایت حسد سے بچنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو جو مقام عطا کیا تھا اس پر وہ مطمئن تھے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے ۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے لیے حسن اخلاق اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

محبت اور شکرگزار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت اور شکر ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 40 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ان تمام اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ کی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں، کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے، تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے

اس سے محبت رکھنی چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

آخر میں، ابوبکر اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکریہ ادا کرنا، قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے ان کی قربانیوں کا احترام کرنا شامل ہے۔ مسلمانوں کی .رہنمائی کے ان دو ذرائع کو نظر انداز کرنے کے بجائے ان کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے کوئی بھی اسے حاصل کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنی بیماری سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے۔ اور موت .اپنے آخری لمحات میں اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور اعلیٰ ترین صحابی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اعلان کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 343 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک :میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس ‘‘نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے

ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دے۔ حالات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس عارضی ٹھکانے سے ابدی آسودگی کی طرف ایک بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، جو جنت کے سب سے اعلیٰ اور شاندار درجے پر ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

’’امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ ‘‘

اور باب 93 عاد الدوحہ، آیات 4-5:

اور آخرت تمہارے لیے پہلی زندگی سے بہتر ہے۔ اور تمہارا رب تمہیں دینے والا ہے اور تم "راضی ہو جاؤ گے۔"

یہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا۔ اس نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دونوں جہانوں میں بہترین کی طرف ہدایت دی تھی۔ اس نے انہیں تنبیہ کی تھی اور ان کو اس چیز سے روکا تھا جو انہیں یہاں زمین اور آخرت میں نقصان پہنچانے والی تھی۔ درود و سلام ہو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

الله علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی

فرمانبردار رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں سے خطاب کیا۔ اس نے باب 3 علی عمران آیت 144 کی تلاوت کی:

" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے]دوسرے [رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور پھر یہ فرمایا'' :اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی بخشی، اور آپ کو زندہ رکھا یہاں تک کہ آپ نے اللہ کے دین کو قائم کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کیا۔ سربلند، صاف، اس کا پیغام پہنچایا اور اس کی راہ میں لڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس لے لیا اور آپ کو راستے پر چھوڑ دیا۔ اور کوئی ہلاک نہیں ہوگا سوائے واضح نشانیوں اور درد کے۔ جن کا رب اللہ تعالیٰ ہے وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ سے ڈرو اے لوگو !اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی حمایت کرتے ہیں اور جو اس کے دین کا احترام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ روشنی اور علاج دونوں ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو حلال سمجھتا ہے اور کس چیز کو حرام۔ ہم پروا نہیں کریں گے کہ مخلوق میں سے

کون ہم پر)ہم پر حملہ کرنے (اترتا ہے۔ ہم مخالفت کرنے والوں سے اسی طرح بھرپور طریقے سے لڑیں گے جس طرح ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ

حق کا ساتھ دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کر کے صحیح کام کرنے اور مسلم قوم کی مدد کرنے کا انتخاب کیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت کم ہو جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر کسی کی مدد کرنے کے بجائے صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ

کمزور ہوتا چلا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

مزید برآں، اگرچہ یہ واضح تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی پسندیدہ انتخاب تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح طور پر نامزد نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور نیا لیڈر نامزد کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ ایک امتحان یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیادت کے لیے بحث اور جدوجہد کریں گے یا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کریں گے اور بہترین شخص کو اس کردار کے لیے نامزد کریں گے۔ جیسا کہ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے، انہوں نے یہ امتحان اڑتے رنگوں کے ساتھ پاس کیا۔ لہذا، یہ ان کے لیے ایک امتحان تھا، اور مستقبل کے مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ مقرر کیا گیا تھا تو پھر مستقبل میں کچھ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقرری پر کبھی متفقہ طور پر راضی نہیں ہوئے اور وہ صرف۔ اسے قبول کیا کیونکہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے کسی صریح حکم سے گریز کرنے سے اس باطل عقیدہ کو روکا گیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان واضح اشارے کے تحت اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ ہونا چاہیے۔ .اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ کے حق میں مزید اضافہ ہوا، جیسا کہ ان کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اشارہ کیا تھا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آزادانہ طور پر مقرر کیا تھا۔ .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

جنت کا عظیم ترین باغ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات سے بے خبر تھے کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ بعض نے مدینہ میں ان کی مسجد کا مشورہ دیا اور بعض نے مدینہ میں مرکزی قبرستان کا مشورہ دیا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے یہ اعلان کر کے ان کو متحد کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مقام پر مدفون ہیں۔ مر گیا . صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول کر لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی :آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر۔ اس سے خوش .سنن ابن ماجہ نمبر 1628 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

بلاشبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک جنت کے سب سے بڑے باغوں میں ہے۔ اس لیے انسان کو غور کرنا چاہیے کہ جب وہ اپنی قبر میں اتریں گے تو انھیں جنت کے باغ میں رکھا جائے گا یا جہنم کے گڑھے میں، اور اس لیے اس کے مطابق کام کریں جو وہ چاہتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے ضروری اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اتحاد

متفقہ طور پر اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر مقرر ہونے کے بعد، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استعفی دینے کی کوشش کی کیونکہ وہ قیادت کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے .انہوں نے کھلے عام یہ درخواست کی اور یہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ کوئی بھی ان کا استعفیٰ نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ ان کا استعفیٰ قبول کریں گے۔ انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حالات میں سب سے آگے رکھا، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھانا۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 682 میں موجود ہے۔ تمام صحابہ نے علی سے اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ ان کی رہنمائی کریں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 212 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد، اپنی خلافت کے دوران، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے منتخب کرنے پر راضی تھے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب میں)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھائی (اور اسی طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی امامت کرنے پر آپ سے راضی ہوئے۔ ان کے دنیاوی معاملات بھی۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 5 میں بحث ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ ان کی تربیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر کے معاملات میں متحد ہونے کے لیے کی تھی۔ مسلمانوں کو ان تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی چیزوں میں متحد ہو جائیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہیئں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور مسلمانوں کو جواب دینا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد

کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام

کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بطور اسلام کے پہلے خلیفہ کی نامزدگی ہمیشہ سے بہت زیادہ بحث کا موضوع رہی ہے۔ صحیح رہنمائی کرنے والے علماء نے اکثر دو گروہوں :سنی اور شیعہ کو حق پر متحد کرنے کے لیے اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے ان کے حق کے زبردست شواہد پر کثرت سے بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ ایک قابل تقلید مقصد ہے، لیکن عام مسلمان کو بھی ان بحثوں یا اس سے ملتی جلتی دیگر بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف، کیونکہ یہ ایسے مسائل ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف سے ہوں گے۔ ان سے قیامت کے دن نہ پوچھنا۔ یہ مسائل اللہ عزوجل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 141:

" یہ وہ قوم ہے جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ہدایت پر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی تھا۔ یہ بات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر، باب 9 توبہ، آیت 100:

" اور مہاجرین)مکہ سے آنے والے (اور انصار)مدینہ کے رہنے والوں (میں سب سے پہلے]ایمان میں [اور وہ لوگ جنہوں نے حسن سلوک کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘

چونکہ قیامت کے دن ان مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اس لیے ایک مسلمان کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب کوئی مسلمان قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پوری طرح سمجھ لے اور اس پر عمل کر لے تو کیا اسے دوسرے مسائل پر توجہ دینے کا حق ہے؟ جیسا کہ عملی طور پر کوئی بھی اس سطح تک نہیں پہنچا ہے، اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان مسائل پر توجہ مرکوز کریں جو متعلقہ ہیں، یعنی وہ مسائل جو اس بات کا تعین کریں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

اتھارٹی میں انصاف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ آپ نے اپنے پہلے خطبہ میں یہ فرمایا" :اے لوگو، میں نے اقتدار سنبھال لیا ہے حالانکہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں یہ ان کی حیا کا مظاہرہ کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ہونے کے عقیدہ میں) متحد تھے۔ ان میں سے بہترین(۔ اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو۔ اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ ایمانداری وفاداری ہے؛ بے ایمانی دھوکہ ہے .تم میں سے کمزور لوگ میری نظر میں طاقتور ہیں جب تک کہ میں ان کی کمزوری کو دور نہ کر سکوں۔ تم میں سے طاقت ور کمزور ہے یہاں تک کہ میں ان سے وہ حق نکالوں جو ان کا لوگوں پر واجب ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ کوئی بھی قوم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کو اللہ تعالیٰ کے بغیر نہیں چھوڑتی اور ان کو ذلت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی قوم پر بدحالی کبھی نہیں پھیلتی جس سے وہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو مجھے تم سے اطاعت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 355-356 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

ان کی تقریر کا آخری حصہ ہدایت کے دو منابع یعنی قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی خلوص نیت سے اطاعت اور پیروی کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، بحیثیت فرد اور معاشرہ اس کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ .

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی رسومات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان

پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

ایک سادہ زندگی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد انہیں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رزق کمانے کے لیے بازار کا رخ کرتے دیکھا گیا۔ چونکہ ان کی توجہ اور توانائی امور ملت کے لیے ضروری تھی اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے لیے معمولی اجرت مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 270 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

آج کے سیاست دانوں کی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی عیش و عشرت کی اجرت کا مطالبہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس سے گریز کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں سادہ طرز زندگی اختیار کیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ اس کی بجائے یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً ان کے کھانے، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنائیں، تاکہ یہ انہیں فارغ وقت فراہم کرے۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

ایک منصفانہ لیڈر

ایک موقع پر جب مدینہ والوں میں صدقہ تقسیم کرنے کا وقت آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جب تک انہیں اجازت نہ دی جائے اس عمارت میں داخل نہ ہوں۔ ایک آدمی بغیر اجازت کے اندر داخل ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی لگام اٹھا کر اسے مارا اور اسے مارا۔ بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلوایا اور اس سے کہا کہ وہ اس سے بدلہ لے، حالانکہ اس شخص نے اس کے صریح حکم کی نافرمانی کی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شفاعت کی اور تجویز کی کہ اس شخص کو سرکاری خزانے سے معاوضہ کے طور پر کچھ دیا جائے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 257-258 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے انجام سے پوری طرح واقف تھے۔ ایک حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے آپ کو بھی جاننا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ مثلاً روزہ اور نماز جمع کرتا ہے لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک عاجز لیڈر

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں کی بکریوں کو دودھ پلاتے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ اپنی تقرری کے بعد ان کے لیے یہ کام کرنا چھوڑ دے گا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور خلیفہ بننے سے پہلے جو نیک اعمال کیے تھے اسے جاری رکھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 273 میں بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے اپنی حیثیت کو مغرور نہیں ہونے دیا بلکہ عمر بھر اپنی عاجزی کو برقرار رکھا۔ باب الفرقان، آیت 63 25:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان کا نہیں مسلمانوں کو اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو یہ احساس ہونا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا کی رحمت اللہ منحصر ہے۔ ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ ’’
‘‘اور]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ضرورت مندوں کی مدد کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رات کے وقت ایک بوڑھی نابینا عورت کے روزمرہ کے کام مکمل کرکے اس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اس کے پاس آتا اور دیکھتا کہ سارا کام پہلے ہی کسی اور نے کر لیا ہے۔ ایک موقع پر، وہ جلدی آیا اور یہ دیکھنے کے لیے انتظار کرنے لگا کہ اس کی مدد کرنے والا اجنبی کون ہے۔ وہ حیران رہ گیا کیونکہ یہ کوئی اور نہیں بلکہ اس وقت کے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 68 میں بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر، یہ ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس میں دوسروں کی مدد کرنے کی تمام اقسام شامل ہیں نہ صرف مالی امداد۔ دوسروں کی ہر قسم کی حلال حاجت کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا جائے اور اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو کہ وہ یہ امداد نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ اس ضرورت مند کو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دیں جو ان کی مدد کرے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں وہی اجر ملے گا جو ضرورت مند کی مدد کرنے والے کو ملتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2671 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے دوسروں کی ایسے طریقوں سے مدد کریں جس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان کو فائدہ پہنچے، لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ طلب کیے بغیر، کیونکہ یہ صرف ان کے اجر کو منسوخ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ باب البقرہ، آیت 264 :2

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان اپنی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی مدد کرنے سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ضرورت کے وقت پھنسے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو نعمتوں میں اضافہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اس کا ایک پہلو ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جو کسی کے پاس ہے جیسا کہ اچھی نصیحت۔

کسی کو ایک اہم نکتہ سمجھنا چاہئے جو انہیں فخر کرنے سے روکے گا۔ یعنی جو مدد وہ ضرورت مندوں کو دیتے ہیں وہ فطری طور پر ان کی نہیں ہوتی۔ یہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس لیے انہیں ضرورت مندوں کی مدد کرکے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ درحقیقت ضرورت مند اپنے مددگار کا احسان کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند نہ ہوتا تو لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے اس طریقے سے محروم ہوجاتے۔

مساوات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ یکساں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق سلوک کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، اس نے اپنی خلافت کے دوران ہر مرد اور عورت میں یکساں مال تقسیم کیا، خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ اسلام کی خاطر زیادہ خدمت کرنے والوں اور قربانیاں دینے والوں کو زیادہ کیوں نہیں دیتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن معاش اور مال کی تقسیم کے معاملے میں آپ کی نظر میں لوگ برابر ہیں۔ .امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 259-260 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس

قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

ایک جسم

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران غریبوں اور مسکینوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر سردیوں کے موسم میں وہ عوامی فنڈ سے بڑی مقدار میں سردیوں کے کپڑے خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم کرتا تھا۔ اس کے دو سالہ دور حکومت میں سرکاری خزانے سے تقریباً دو لاکھ سکے جمع ہوئے، یہ سب اس نے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 261 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحیح معنوں میں اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جو انسان کو دوسروں کی مشکلات کو محسوس کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اس لیے ان کی اپنے وسائل کے مطابق مدد کرتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

مسلمان اگرچہ دنیا کی تمام پریشانیاں دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنی وسعت کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور دنیاوی معاملات میں ان کی مدد کی۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار باب 5 المائدہ، آیت 105 کی وضاحت کرتے ہوئے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا۔

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو...

انہوں نے وضاحت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ اگر لوگوں نے استطاعت کے باوجود کسی ظالم کو نہ روکا تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے سے باز نہ آئیں۔ ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں ماننا چاہیے کہ جب تک وہ

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ یہاں تک کہ اگر وسیع تر معاشرہ غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے سے ان پر زیادہ اثر پڑے گا بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کر دیا جائے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

امن پھیلانا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی اپنے منصبِ اقتدار کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ان کے ساتھ ہر ایک سے مختلف سلوک کیا جائے۔ مثال کے طور پر، ایک مرتبہ ایک شخص مسلمانوں کے ایک اجتماع کے پاس آیا اور اس نے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلامی سلام پیش کرتے ہوئے کہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو یاد دلایا کہ وہ مجمع میں موجود ہر شخص کو سلام کرے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 280 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل کے مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے بدلے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریروں اور افعال میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی

کے اسلامی سلام کو صحیح طور پر پورا کرے۔ یہ دراصل سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق حقیقی مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔

مسائل کو چھوٹا بنانا

ابوبکر رضی اللہ عنہ جتنا مصروف رہتے تھے، ہمیشہ دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرتے تھے اور ان کے غم اور مشکلات میں اپنے وسائل کے مطابق انہیں تسلی دینے کے لیے سخت محنت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار ایک غم زدہ شخص کو یہ یاد دلاتے ہوئے تسلی دی کہ صبر میں کوئی نقصان نہیں اور بے صبری میں کوئی فائدہ نہیں۔ وہ موت اس سے پہلے آنے والی موت سے کم سنگین تھی اور اس کے بعد آنے والی موت سے زیادہ شدید تھی)ایک صحیح ہدایت یافتہ شخص کے لیے(۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو یاد رکھیں، اس کے نتیجے میں ان کی مصیبت ان کو کم معلوم ہوگی اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کے اجر میں اضافہ فرمائے گا۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 89 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مشکلات کے ذریعے صبر حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کا ہمیشہ سخت اور سخت مشکلات سے موازنہ کیا جائے۔ جب کوئی ایسا کرے گا تو اس سے ان کا مسئلہ چھوٹا اور کم اہم معلوم ہوگا۔ توجہ میں یہ تبدیلی ایک مسلمان کو صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اس کی وضاحت ایک دنیاوی مثال کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ شدید درد شقیقہ میں مبتلا شخص کو اس طرح متاثر کیا جاسکتا ہے کہ اسے لگتا ہے کہ دنیا ان کے گرد سمٹ رہی ہے۔ لیکن اگر یہی شخص کسی ایسے جہاز پر تھا جو برف کے تودے سے ٹکرا کر منجمد سمندر کے بیچ میں ڈوبنے والا ہے تو ان کا شدید درد شقیقہ کوئی بڑی بات نہیں لگتی۔ درحقیقت، وہ شاید اس سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوں گے کیونکہ ان کی ساری توجہ جان لیوا خطرے یعنی ڈوبتے ہوئے جہاز کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ مشکل کے وقت مسلمان کا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جب انہیں کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بہت زیادہ خراب ہو سکتی تھی اور وہ ان مشکلات پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا انہیں سامنا ہو سکتا تھا۔ یہ دوسروں کا مشاہدہ کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے جو ان سے زیادہ مشکل حالات میں ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کمر کے درد میں مبتلا ہے وہ اس شخص پر غور کر سکتا ہے جو جسمانی طور پر معذور ہے۔ یا وہ موت اور یومِ جزا جیسی بہت بڑی مشکلات پر غور کر سکتے ہیں۔ یہ موازنہ ان کی مشکل اور اس کے اثرات کی اہمیت کو کم کر دے گا، جس کے نتیجے میں انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر اور ثابت قدم رہنے میں مدد ملے گی، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔

اچھے کی حوصلہ افزائی کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متعلقہ اور فائدہ مند مسائل پر عوام سے خطاب فرماتے۔ آپ نے ہمیشہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کے ذریعے اچھا تعلق قائم رکھنے کی ترغیب دی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار خطبہ دیا اور مشورہ دیا کہ پانچ تاریک معاملات اور پانچ چراغ ہیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 282 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے دنیا کی محبت کو تاریکی اور تقویٰ کو چراغ قرار دیا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مادی دنیا جس سے کسی کو لاتعلقی اختیار کرنی چاہیے دراصل اس کی خواہشات سے مراد ہے۔ یہ مادی دنیا کا حوالہ نہیں دیتا، جیسے پہاڑ۔ اس کی نشاندہی باب 3 علی عمران، آیت 14 سے ہوتی ہے:

لوگوں کے لیے مزین ہے اس چیز کی محبت جس کی وہ خواہش کرتے ہیں - عورتوں اور بیٹوں " کی، سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے، عمدہ نشان والے گھوڑے، اور مویشی اور کھیتی والی زمین۔ یہ دنیوی زندگی کا مزہ ہے، لیکن اللہ کے پاس بہترین واپسی [یعنی جنت] ہے۔

یہ چیزیں لوگوں کی خواہشات سے جڑی ہوتی ہیں اور ان سے انسان آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو وہ درحقیقت مادی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں وہ اس کی باطنی خواہش اور اس سے محبت کی وجہ سے پھر بھی دنیا دار سمجھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں ہیں، جیسا کہ بعض صالح پیشروؤں کی طرح، وہ مادی دنیا سے

لاتعلق سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے ذہن، دل اور اعمال کی خواہش نہیں رکھتے اور ان پر قبضہ کرتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ ابدی آخرت میں جھوٹ کی خواہش رکھتے ہیں۔

پرہیزگاری کا پہلا درجہ ناجائز اور فضول خواہشات سے منہ موڑنا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہے۔ یہ شخص آخرت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ ان چیزوں اور لوگوں سے منہ موڑ لیتے ہیں جو انہیں اس اہم کام کو پورا کرنے سے روکتے ہیں۔

پرہیز کا اگلا مرحلہ وہ ہے جب انسان اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی چیزیں لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا وقت ان چیزوں میں نہیں لگاتے جن سے انہیں اگلے جہان میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نصیحت ہے، آپ نے ایک مسلمان کو اس مادی دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ دونوں قسم کے لوگ مادی دنیا سے صرف وہی لیں گے جس کی انہیں ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی منزل یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ ایک مسلمان یہ سمجھ کر حاصل کر سکتا ہے کہ ان کی موت اور آخرت کی روانگی کتنی قریب ہے۔ موت نہ صرف انسان پر کسی بھی وقت آ سکتی ہے بلکہ اگر کوئی لمبی عمر بھی گزارے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک لمحے میں گزر گیا۔ اس حقیقت کا ادراک کر کے انسان ابدی آخرت کی خاطر لمحہ بہ لمحہ قربان کر دیتا ہے۔ اس مادی دنیا میں لمبی عمر کی امید کو مختصر کرنا انہیں اعمال صالحہ کرنے، اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور آخرت کی تیاری کو ہر چیز پر ترجیح دینے کی ترغیب دے گا۔ جو شخص لمبی عمر کی امید رکھتا ہے وہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دے گا۔

جو واقعی مادی دنیا میں پرہیزگار ہے وہ نہ اس پر الزام لگاتا ہے اور نہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ جب وہ اسے حاصل کرتے ہیں تو وہ خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں جب وہ ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔ اس متقی مسلمان کا ذہن ابدی آخرت پر اتنا مرکوز ہے کہ چھوٹی مادی دنیا کو لالچ سے دیکھ سکے۔

پرہیز کئی مختلف سطحوں پر مشتمل ہے۔ بعض مسلمان اپنے دلوں کو ہر فضول اور فضول مشغلہ سے آزاد کرنے کے لیے پرہیز کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر پوری توجہ مرکوز کر سکیں اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 257 میں موجود حدیث کے مطابق ایسا سلوک کرنے والا یہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیوی امور کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گا۔ لیکن جس کو صرف دنیاوی چیزوں کی فکر ہے وہ ان کے وسیلے پر رہ جائے گا اور اسے تباہی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اس مادی دنیا کی زیادتی جیسے مال کی زیادتی کے پیچھے پڑے گا وہ یہ پائے گا کہ اس کا کم سے کم اثر ان پر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ اب بھی سچ ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کے حصول میں کوئی گناہ نہ کرے۔

کچھ لوگ قیامت کے دن اپنے احتساب کو ہلکا کرنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کے پاس جتنی زیادہ چیزیں ہوں گی ان کا احتساب کیا جائے گا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا اسے قیامت کے دن سزا دی جائے گی۔ صحیح بخاری نمبر 6536 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس کا احتساب جتنا ہلکا ہو گا اتنا ہی کم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جس کے پاس بہت کچھ ہے وہ قیامت کے دن بہت کم نیکی کے مالک ہوں گے سوائے وقف کرنے والوں کے۔ ان کا مال و دولت ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، لیکن یہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ یہ لمبا احتساب یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خواہ امیر ہو یا غریب، قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ انہیں زمین پر ان کی زندگی کے دوران صرف ان کا روزانہ کا رزق دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4140 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کچھ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی سے جنت کی خواہش سے پرہیز کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کی لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگ جہنم کے خوف سے مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ بجا طور پر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جتنا زیادہ اس مادی دنیا کی زیادتی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی ناجائز کے قریب ہوتا ہے جو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث

میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت تک پرہیزگار نہیں بنیں گے جب تک کہ کسی ایسی چیز سے پرہیز نہ کریں جو گناہ نہیں ہے اس خوف سے کہ وہ گناہ کا باعث بن جائے۔ نمبر 4215 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ مسلمان۔ اس سنن ابن ماجہ

پرہیزگاری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے جس کا تذکرہ پورے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرنا، یہ جانتے ہوئے کہ ان کا رب مادی دنیا کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا کی زیادتی کی مذمت کی ہے اور اس کی قدر کو حقیر قرار دیا ہے۔ یہ نیک بندے شرمندہ تھے کہ ان کا رب انہیں کسی ایسی چیز کی طرف مائل دیکھے جو اسے ناپسند ہے۔ یہ سب سے بڑے بندے ہیں کیونکہ یہ صرف اپنے رب کی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دنیا کی حلال آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے خزانوں کی پیشکش کے باوجود غربت کا انتخاب کیا۔ صحیح بخاری نمبر 6590 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انتخاب اس لیے کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مادی دنیا کو ناپسند فرمایا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی محبت میں اسے رد فرمایا۔ ایک سچا بندہ کس طرح اس سے محبت کر سکتا ہے جو ان کے رب کو ناپسند ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غربت کا انتخاب کرکے غریبوں کے لیے مثال قائم کی اور امیروں کو اپنے قول و فعل سے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ آسانی سے متبادل کا انتخاب کر سکتا تھا اور عملی طور پر امیروں کو دکھا سکتا تھا کہ دنیا کے خزانوں کو لے کر زندگی کیسے گزاری جائے اور وہ اپنے قول و فعل سے غریبوں کو صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ سکھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے غربت کا انتخاب ایک خاص وجہ سے کیا جو اس کے رب العالمین کی بندگی سے باہر تھی۔ اس پرہیز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنایا۔ مثال کے طور پر، اسلام کے پہلے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایک بار جب انہیں شہد کے ساتھ میٹھا پانی پلایا گیا تو رو پڑے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ایک غیر مرئی چیز کو دھکیل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کے پاس مادی دنیا آگئی ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ اسے تنہا چھوڑ دو۔ مادی دنیا نے جواب دیا کہ وہ مادی دنیا سے بھاگ گیا ہے لیکن اس کے بعد والے ایسا نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کو

شہد سے میٹھا دیکھ کر رو پڑے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ مادی دنیا انہیں گمراہ کرنے کے لیے آئی ہے۔ یہ واقعہ امام اشفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 47 میں درج ہے۔

درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لذت حاصل کرنے کے لیے نہ کبھی کھایا اور نہ لباس پہنا بلکہ مادی دنیا سے صرف وہی لیا جو ان کی ضرورت تھی اور آخرت کی تیاری پر توجہ دی۔ جب مادی دنیا ان کے قدموں پر رکھ دی گئی تو وہ اس خوف میں مبتلا تھے کہ شاید ان کا اجر انہیں آخرت کے بجائے اس دنیا میں مل گیا ہے۔

جو بھی واقعی پرہیزگار ہے وہ ان کے نقش قدم پر چلے گا۔ مسلمانوں کو اس مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے جب کہ یہ دعویٰ کریں کہ ان کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اگر کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو یہ اس کے اعضاء اور اس کے اعمال میں ظاہر ہوتا ہے جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا دل اللہ تعالیٰ سے لگا ہوا ہے وہ اس سے پہلے صالحین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ انہیں مادی دنیا کی ضرورت ہے، صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، اور آخرت کی تیاری کے لیے کوشش کرتے ہوئے مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑنا۔ یہ حقیقی پرہیزگاری ہے۔

دوسری تاریک چیز جس کا ذکر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ گناہ تھا اور اس کا چراغ سچی توبہ تھا۔

معمولی اور بڑے کے طور پر .وقت کے ساتھ ساتھ بہت گناہوں کی درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ کہ یہ ہے اس بارے میں دیا گیا ہے کہ اصل میں بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک سادہ درجہ بندی سی تعریفیں سزا کا اسلام نے اسلامی حکومت کو حکم دیا ہے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا جس کی گناہ کوئی بھی ایک اور درجہ بندی یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کا ذکر جہنم کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ناراضگی، یا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، تو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ مثال کے طور پر غیبت گناہ کبیرہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں اس پر لعنت کی گئی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

"ہائے ہر غیبت کرنے والے، بہتان لگانے والے کے لیے۔ "

صحیح بخاری بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ صرف سات بڑے گناہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔
کی حدیث نمبر 2766 میں ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سات کبیرہ گناہ ہیں اس کا مطلب
دوسرے کبیرہ میں یہ نہیں کہ صرف سات ہی ہیں۔ درحقیقت اور بھی احادیث موجود ہیں جن
۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے نمبر 6273 میں کی نافرمانی گناہوں کا ذکر ہے جیسے والدین
موجود ہے۔ اس سے پہلے حدیث میں جن سات کبیرہ گناہوں کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :شرک،
یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، میدان جنگ ،مالی سود کا سودا کرنا ،جادو، کسی بے گناہ کو قتل کرنا
.سے بھاگنا اور بے گناہ عورت پر الزام لگانا۔ زنا کی

جب کوئی چھوٹے گناہوں پر قائم رہتا ہے تو وہ اسلام کی نظر میں بڑے کہ یہ جاننا ضروری ہے
ہو جاتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں سے اجتناب گناہ صغیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغیرہ
:اور اعمال صالحہ سے مٹ سکتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 31

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے "
"گناہوں کو دور کر دیں گے۔

سچی توبہ میں ندامت، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہو، دوبارہ ایسا یا اس
اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور
ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اعلیٰ، اور لوگ۔

وہ ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں خواہ وہ کسی بھی سائز کے ہوں مسلمان یقینی بنائیں کیونکہ شیطان کے جال میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ چھوٹے پتھروں سے بنتے ہیں۔

تیسری تاریک چیز جس کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ قبر اور اس کا چراغ ایمان کی گواہی دے رہا تھا۔

جامع ترمذی نمبر 3120 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ قبر میں ہر شخص سے تین سوال کیے جائیں گے۔

پہلا سوال یہ ہوگا کہ تمہارا رب کون ہے؟ اس سوال کا صحیح جواب دینے کے لیے ایک مسلمان کو نہ صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا چاہیے بلکہ اس یقین کو عمل سے ثابت کرنا چاہیے۔ یہ صرف اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور اس کے احکام کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ ثبوت ہے جو کسی مسلمان کو ان کی قبر میں اس سوال کا سامنا کرنے پر سہارا دے گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض غیر مسلم بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن وہ اس سوال کا صحیح جواب دینے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کی صحیح اطاعت نہیں کی۔ اگر صرف اس پر ایمان لانا کافی ہوتا تو یہ غیر مسلم اس سوال میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

اگلا سوال یہ ہوگا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ اگر کوئی مسلمان اس کا صحیح جواب دینا چاہتا ہے تو اسے نہ صرف اسلام کو ماننا چاہیے بلکہ اس کی تعلیمات کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا چاہیے۔ اس میں اس کی تعلیمات کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث کے مطابق آخری سوال یہ ہوگا کہ تمہارا نبی کون ہے؟ غور طلب بات یہ ہے کہ ماضی کی بعض قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کو مانتی تھیں لیکن ان کے نقش قدم پر صحیح طور پر نہ چلنے کی وجہ سے وہ اس سوال کا صحیح جواب دینے میں ناکام رہیں گی۔ اگر کوئی مسلمان اس سوال کا صحیح جواب دینا چاہتا ہے تو اسے نہ صرف زبانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے عقیدہ کا اعلان کرنا چاہیے بلکہ ان کی روایات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا یہی مقصد ہے، یعنی ان کی عملی طور پر پیروی کرنا۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی رحمت، محبت اور بخشش، جو ایک مسلمان کو اس سوال کا صحیح جواب دینے میں مدد دے گی، اسی طریقہ سے حاصل کرنا ممکن ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

چوتھی تاریک چیز جس کا ذکر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ آخرت تھا اور اس کا چراغ نیک اعمال تھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان سے بہتر نہیں جانتا۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

"پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

پانچویں تاریک چیز جس کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ آخرت کا پل اور اس کا چراغ یقین کا تھا۔

لوگوں کو اس پل کو عبور کرنے کا حکم دیا جائے گا جو قیامت کے دن جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔ اسلامی تعلیمات میں اس پر بہت زیادہ بحث کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6573

میں موجود حدیث ہے۔ اس میں خبردار کیا گیا ہے کہ پل پر بہت بڑے کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق متاثر کریں گے۔ بعض کو ان کے ذریعہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا، بعض کو پل صراط سے گزرنے سے پہلے بڑی اذیتیں دی جائیں گی، بعض کو ان کی طرف سے معمولی سی چوٹ ہی پہنچے گی اور آخر کار صالحین کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 455 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پل صراط بالوں سے تنگ اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

اس سے سیکھنے کی اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق پل کو عبور کرے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ پل کو بحفاظت عبور کرنا چاہتے ہیں تو وہ کسی بھی فرائض میں کوتاہی نہ کریں۔ ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کریں اور اس کی ممانعتوں سے پرہیز کریں۔ ان میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام کے فرائض شامل ہیں۔ کسی کو اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور صرف امید رکھنا چاہئے کہ وہ جادوئی طور پر بغیر کسی اثر کے پل کو عبور کریں گے۔

اس کے علاوہ انسان جس آسانی سے اس پل کو عبور کرے گا وہ اس بات کا آئینہ دار ہو گا کہ وہ اس دنیا میں اسلام کے صراط مستقیم پر کس قدر ثابت قدم رہے۔ یہ سیدھا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا‘‘۔

جو بھی اس راستے کو چھوڑ دے گا وہ اس پل کو کامیابی سے عبور نہیں کر سکے گا۔ سیدھے الفاظ میں، اس دنیا میں جتنا زیادہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے گا، قیامت کے دن وہ جہنم کے پل کو اتنا ہی آسانی سے عبور کرے گا۔ اس دنیا میں سیدھا راستہ واضح کر دیا گیا ہے اس لیے مسلمانوں کے پاس اس پر عمل کرنے سے کوئی عذر باقی نہیں بچا ہے اس طرح وہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن پل صراط سے گزر جائیں۔

ایک خوبصورت خطبہ - 1

ابوبکر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، قطعی اور مفید خطبہ دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 282-283 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرنے کی تلقین کی کیونکہ یہی بہترین چیز ہے جو یقین کے بعد وہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2346 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص صبح اٹھے وہ خطرے سے محفوظ، تندرست اور دن بھر کا کھانا کھاتا ہے گویا دنیا جمع ہو گئی ہے۔ ان کے لیے.

اس دن اور دور میں جہاں دنیا بھر میں بہت سے لوگ غیر محفوظ ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں ایک مسلمان جس کو سلامتی کی نعمت ملی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی آزادی کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں اور پابندیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اس کا استعمال کرے۔ صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے مثال کے طور پر، انہیں باجماعت نمازوں اور علم کے مذہبی اجتماعات کے لیے مساجد کے سفر سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے عقیدے سے بالاتر ہوکر دوسروں تک اس احساس تحفظ کو پہنچائیں تاکہ پورا معاشرہ خطرے سے محفوظ رہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث کے مطابق کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان یا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور نہ رکھے۔

سیدھے الفاظ میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ سلوک کریں۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی اچھی صحت سے فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کی اکثر صحیح معنوں میں تعریف کی جاتی ہے جب تک کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی اچھی صحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، انہیں اس کی تائید اس وقت ملے گی جب وہ اپنی صحت سے محروم ہوجائیں گے۔ لیکن جو لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں ان کو یہ حمایت ملنے کا امکان نہیں ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کسی کی صحت کو استعمال کرنے میں اس مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے۔

کسی شخص کی بڑی پریشانیوں میں سے ایک ان کا رزق ہے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ زمین آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ روزانہ رزق حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے دوسرے فرائض میں مشغول ہو جائے اور بغیر کسی زور کے کل کے لیے منصوبہ بنائے کیونکہ رزق کی ضمانت ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو تمام معاملات میں سچائی کو اپنانے کی تلقین کی کیونکہ یہ تقویٰ کا ساتھی ہے اور یہ دونوں چیزیں جنت تک لے جاتی ہیں۔ جبکہ جھوٹ بے حیائی کا ساتھی ہے اور دونوں جہنم میں لے جاتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو رشتہ داریاں نبھانے کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی ان تمام امور میں مدد کرے جو اچھے ہیں اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرنا چاہیے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب المائدة، آیت 2 5:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی

جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو تاکید کی کہ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں نہ کریں، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھیں، حسد نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے متحد بندے بن جائیں۔

دوسروں کے ساتھ اس تعلق کو حاصل کرنے کے بہترین طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو وہ اپنا ایمان کھو دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کریں۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ مقام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بغض اور حسد سے پاک ہو۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس

درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت .اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ ترغیب ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی بھی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ایمان کی فضیلت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نصیحت کی کہ جب بھی وہ قضائے حاجت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور شرم و حیا کی وجہ سے اپنے آپ کو چادر اوڑھ لیں گے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 283 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الٰہی سے مسلسل آگاہ تھے، جس کی وجہ سے وہ اس طرح کے برتاؤ پر آمادہ ہوئے۔

صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک طویل حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کا مفہوم بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ فضیلت سے کیا جا سکتا ہے۔ اس فضیلت سے مراد اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ سلوک اور برتاؤ ہے۔ فضیلت کے ساتھ عمل کرنے کا تذکرہ پورے قرآن میں کیا گیا ہے، جیسے کہ باب 10 یونس، آیت 26:

"...جن لوگوں نے بہترین کام کیے ہیں ان کے لیے بہترین]اجر [ہے - اور اضافی "

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 449 اور 450 میں موجود احادیث میں اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس آیت میں اضافی لفظ سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔ ، عالی۔ یہ اجر اُس مسلمان کو ملتا ہے جو کمال کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جیسا کہ فضیلت کا مطلب ہے اپنی زندگی گزارنا گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے، ہر وقت اپنے ظاہری اور باطن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو ایک طاقتور اتھارٹی کو دیکھ سکتا ہے کہ وہ ان کے خوف سے کبھی بدتمیزی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار کسی کو نصیحت کی کہ وہ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرے

جیسے کہ وہ ایک نیک آدمی جس کا وہ احترام کرتا ہے، اسے مسلسل دیکھ رہا ہو۔ امام طبرانی کی المعجم الکبیر نمبر 5539 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے ۔

جو بھی اس طریقے پر عمل کرتا ہے وہ بہت کم گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ہمیشہ نیکیوں کی طرف دوڑتا رہتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور دنیا میں آزمائش کی آگ اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈھال کا کام کرتا ہے۔ یہ چوکسی اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کے تئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کرتا ہے بلکہ یہ مخلوق کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ جس کی چوٹی خلوص دل سے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ یہ شخص جامع ترمذی نمبر 251 میں موجود حدیث کو پورا کرے گا جس میں یہ نصیحت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

فضیلت کا یہ درجہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ عمل کیا جائے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1 کے مطابق ایمان کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے۔ ایک شخص جتنا اچھا عمل کرتا ہے اس کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان بن جاتا ہے جو غفلت سے دور رہتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی آخرت اور دنیاوی زندگی کو سنوارنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

اندیشہ ہے کہ اس انعام کے برعکس ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر نگاہوں سے بے خوف زندگی گزاری، اس لیے وہ آخرت میں اس کے دیدار سے پردے میں رہیں گے۔ باب 83 المطففین، آیت 15:

‘‘نہیں !یقیناً اس دن ان کے رب کی طرف سے وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔"

جو لوگ عمل کرنے کے درجے تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے رہے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کے دوسرے حصے پر عمل کریں جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں دی گئی ہے۔ اس شخص کو سچے دل سے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلسل دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ حالت درجے میں اس شخص کے مقابلے میں کم ہے جو اس طرح عمل کرتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے، کوئی بھی کم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے سچے خوف کو اپنانے کا بہترین طریقہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ رویہ کسی کو گناہوں سے روکے گا اور نیک کاموں کی طرف ترغیب دے گا۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام طبرانی کی کتاب المعجم الکبیر نمبر 7935 میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس ذہنیت کو اپنانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سایہ عطا فرمائے گا۔ سربلند

اللہ تعالیٰ کی الوہی موجودگی کا تذکرہ پورے قرآن میں موجود ہے، جیسے کہ باب 57 الحدید، آیت 4:

‘‘تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ..."

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی احادیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الٰہی کے حقیقی شعور کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک الہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ 84 اور 85 میں امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ شان و شوکت سے کنارہ کش ہو گئے۔ مادی دنیا کی اور تنہا رات میں سکون ملا۔ یعنی لوگوں کی صحبت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی صحبت طلب کی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الٰہی کی بیداری کو اپنانا نہ صرف گناہوں سے روکتا ہے اور نیک اعمال کی ترغیب دیتا ہے بلکہ یہ تنہائی اور افسردگی سے بھی بچاتا ہے۔ ایک شخص ذہنی صحت کے مسائل سے بہت کم متاثر ہوتا ہے جب وہ مسلسل کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے جو ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر مخلوق سے کوئی محبت نہیں کرتا

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر طرح کی مدد کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا، فضیلت کے ساتھ کام کرنے سے کسی کے ایمان، اعمال، جذباتی کیفیت اور وسیع تر معاشرے کو فائدہ ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کو ان لوگوں کی طرح بننے سے گریز کرنا چاہیے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ان پر نظر رکھنے والوں میں سب سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک شدید روحانی بیماری ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں اور برے سلوک کی طرف لے جاتی ہے۔

خوف اور امید

ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے خطبات کے ذریعے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھنے کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ اس میں مکمل توازن بھی رکھتے تھے۔ اس متوازن نقطہ نظر کو آج کل اکثر عوامی مقررین نظر انداز کرتے ہیں جو انتہائی رویہ اپناتے ہیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 283 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو انسان کو اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں ہی گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 2

ابوبکر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، قطعی اور مفید خطبہ دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ مندرجہ ذیل خطبہ امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 56 میں زیر بحث آیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے تھوڑی اور عارضی چیز خرید لی ہے جو بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اس نصیحت کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور فہم کو اپنانا چاہیے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو یہ یاد دلاتے ہوئے کہ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کی روشنی کبھی بجھتی ہے، خلوص کے ساتھ قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ انہوں نے ان پر زور دیا کہ وہ قیامت کے اندھیرے کی تیاری کے لیے قرآن پاک سے روشنی حاصل کریں۔

قرآن پاک میں ایسی بے شمار صفات ہیں جو اسے کسی بھی دنیوی کتاب سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ پہلو اتنا شدید ہے کہ اس کی بے شمار زندگیوں میں وضاحت یا بحث بھی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ان میں سے چند ایک خوبیوں کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے، قرآن پاک

میں، اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات)صرف انسانوں کو نہیں (کو ایک کھلا چیلنج دیا ہے اور نہ صرف ان لوگوں کے لیے جو اس الٰہی وحی کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے بلکہ تمام مخلوقات کے لیے ایک چیلنج دیا ہے۔ وقت کے اختتام .چیلنج یہ ہے کہ اگر لوگ یہ مانتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایسا باب تیار کریں جو قرآن پاک کے کسی باب کا مقابلہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

" اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

پوری کرہ ارض پر کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو اس قسم کا کھلا چیلنج دے سکتی ہو۔ لیکن 1400 سال پہلے قرآن کریم نے پوری کائنات کو یہ چیلنج دیا تھا اور آج تک یہ چیلنج نہ غیر مسلم جیتے ہیں اور نہ ہی انشاء اللہ کبھی مل سکے گا۔

قرآن کریم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے مستقبل کے واقعات کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان بیانات کے بارے میں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے نتائج اس وقت ناممکن نظر آتے تھے۔ مثال کے طور پر باب 48 الفتح، آیت 28:

’’ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ دین حق کو تمام مذاہب پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کافی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کا پورا شہر اسلام تھا چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ آیت سنی تو بدقسمتی سے ان کے لیے یہ مان لیا کہ اسلام بہت کمزور ہے اس لیے زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور یقینی طور پر مکہ کی سرحدوں سے باہر نہیں پھیل سکے گا۔ پوری دنیا اکیلے .لیکن چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اس کی ایک اور مثال کس طرح قرآن پاک نے مستقبل کے واقعہ کی پیشین گوئی کی جو اس وقت ناقابل تصور تھا باب 30 اروم، آیات 2-5 میں پایا جاتا ہے:

" رومیوں کو مغلوب کیا گیا ہے۔ آس پاس کی زمین میں اور ان کے زیر تسلط ہونے کے بعد وہ عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند سالوں میں. حکم صرف اللہ کا ہے پہلے اور بعد میں۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔''

قرآن پاک کی یہ آیات ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب رومی)عیسائی (فارسیوں)آگ پرستوں (کے ساتھ جنگ میں تھے۔ اس جنگ کی تصدیق کئی مستند تاریخی کتب سے ہوئی ہے۔ اس خاص وقت میں فارسی جنگ جیتنے کے راستے پر تھے۔ ایک موقع پر روم خود فارسیوں سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رومی بالآخر فتح یاب ہو کر حکومت کریں گے۔ مکہ کے غیر مسلم جو خود بت پرست تھے انہوں نے فارسیوں کی حمایت کی اور اکثریت سے اتفاق کیا کہ رومیوں کا جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی طرح ان آیات کو درست ثابت کیا اور رومیوں کو فتح کی اجازت دی۔

ایک آخری مثال جو دنیا کے سائنسدانوں کو دلکش ہے، باب 21 الانبیاء، آیت 33 میں نظر آتی ہے:

" اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک ایک دائرے میں تیر رہا ہے۔"

صدیوں سے سائنس دان ان نظریات پر لڑتے رہے ہیں کہ نظام شمسی کو کس طرح ترتیب دیا گیا ہے جیسے کہ آیا سورج ساکن رہتا ہے اور زمین گرد گھومتی ہے یا اس کے برعکس۔ صرف نسبتاً حال ہی میں تمام مختلف عقائد اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر اعتراض؛ سورج، چاند اور زمین سب اپنے اپنے محور پر گھومتے ہیں اور ایک مقررہ مدار میں ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا۔ قرآن پاک کی سائنس سے متعلق تمام آیات کو آج سائنسدان آہستہ آہستہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک ایک اور واحد سچے خدا، اللہ تعالٰی کے الفاظ ہیں، جس نے اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا ہے، کیونکہ صرف ایک خالق ہی اپنی تخلیقات کی صحیح معنوں میں وضاحت کر سکتا ہے۔

اگرچہ قرآن کریم کے بہت سے احکام لوگوں کو سمجھ نہیں آتے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلط ہیں۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن کی حکمت انسان پر مخفی تھی وہ اس وقت ظاہر ہوئیں جب معاشرہ ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گیا۔ چونکہ پورا قرآن حکیم اور ہدایت کی کتاب ہے اس کو قبول کرنا چاہیے خواہ کوئی اس کے احکام کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہ صورت حال بالکل ایسے بچے جیسی ہے جو نزلہ زکام میں مبتلا ہو اور آئس کریم کا خواہش مند ہو لیکن اس کے والدین اسے نہیں دیتے۔ بچہ پیچھے کی حکمت کو سمجھے بغیر روتا رہے گا لیکن جو علم رکھتے ہیں وہ والدین کی بات سے اتفاق کریں گے اگرچہ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے جیسے والدین کا فیصلہ بچے پر ظلم کر رہا ہے۔

جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ احساس ہوگا کہ اس میں واضح اور لطیف معانی دونوں کے ذریعے برتری کے مختلف درجات موجود ہیں جن پر یہ بحث کرتا ہے۔ باب 11 ہود، آیت 1:

"... یہ [ایک کتاب ہے جس کی آیات کو مکمل کیا گیا ہے اور پھر اس کی طرف سے تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو حکمت اور باخبر ہے۔"

اس میں تاثرات بے مثال ہیں اور اس کے معنی سیدھے سادے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی آیات انتہائی فصیح ہیں اور کوئی دوسرا متن اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن کریم نے

پچھلی امتوں کے قصے بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ اس نے ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیا اور ہر قسم کی برائی سے منع کیا، وہ جو ایک فرد کو متاثر کرتی ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتی ہیں تاکہ گھروں اور معاشرے میں امن و سلامتی پھیل جائے۔ قرآن مجید نظموں اور کہانیوں کے برعکس مبالغہ آرائی، جھوٹ یا جھوٹ سے پاک ہے۔ قرآن پاک کی تمام آیات خواہ چھوٹی ہوں یا لمبی، فائدہ مند ہیں۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جائے تو اس سے مختلف اہم اسباق سیکھے جا سکتے ہیں۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس قرآن پاک بار بار پڑھنے سے بور نہیں ہوتا اور حق کا متلاشی اس کے مطالعہ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نہ صرف تنبیہات اور وعدے فراہم کرتا ہے بلکہ ان کی تائید غیر متزلزل اور واضح دلائل سے کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی بھی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اس پر عمل کرنے کا ایک آسان اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک سادہ لیکن گہرے طریقے سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے اور ابدی آخرت کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کے خواہشمند کے لیے سیدھا راستہ واضح اور دلکش بنا دیتا ہے۔ اس کے اندر موجود علم لازوال ہے اور اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کے لیے شفا ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس کا اطلاق کیا جائے۔ یہ ہر ایک فرد یا پورے معاشرے کو درپیش ہر مسئلے کا علاج ہے۔ صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے تاکہ ان معاشروں کا مشاہدہ کیا جا سکے جنہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے نافذ کیا تاکہ اس کے تمام محیط فوائد کو سمجھ سکے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

’’بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور لازوال معجزہ ہے جو اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ لیکن اس سے صرف وہی فائدہ اٹھائے گا جو حق کی تلاش کرتا ہے جبکہ اپنی خواہشات کے متلاشیوں کو صرف سننا اور پیروی کرنا مشکل ہوتا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ''
''ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ فرشتے ان کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔

یہ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اور اپنے آخری حساب تک پہنچنے سے پہلے اپنے آپ کو درست کرنے کے لیے مسلسل اپنے اعمال اور گفتار کا جائزہ لیں۔

محض عبادت کرنے سے کسی کو ایمان کے اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ مسلمان اپنے باطن کو پاک کرکے ہی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ان کے پاس موجود منفی خصوصیات کو ہٹا کر اور ان کی جگہ اچھی خصوصیات لے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سنجیدہ عکاسی اور خود تشخیص کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

جب کوئی اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے تو یہ انہیں ایک خادم کی طرح زندگی گزارنے اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کے طور پر پہچاننے کی طرف لے جائے گا، جو کہ حتمی مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اپنے کردار اور روح کو بری خصوصیات سے پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے یہ خود تشخیص ضروری ہے جو دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ ہے۔ کچھ لوگ مادی

دنیا میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس اہم کام کو انجام نہیں دیتے اور اس لیے دہائیاں گزر جاتی ہیں ان میں ایک بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمزوری کے آخری مرحلے تک پہنچنے سے پہلے خود اندازہ لگانے اور بہتر سے بہتر تبدیلی کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ تبدیلی کی خواہش کریں گے لیکن وہ ایسا کرنے کی ذہانت یا طاقت کے مالک نہیں ہوں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے جنہیں بڑی طاقت اور دولت سے نوازا گیا تھا لیکن آخرکار ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت کے لمحات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح نوازے گا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی معاشرے میں ان کی عزت ہوگی۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت عربی زبان کو نہیں سمجھتی بہت زیادہ عبادت اس اندرونی تطہیر کو متحرک نہیں کرے گی۔ انسان اس مادی دنیا، موت، قبر اور جہنم پر غور کرنے سے ہی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے غور و فکر کا ایک لمحہ ساٹھ سال کی رضاکارانہ عبادت سے بہتر ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عقل یا غور و فکر کے بغیر رہتے ہیں وہ عادتاً ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو صرف مسلسل تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی مقصد کے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے حقیقی مقصد کو سمجھے بغیر ہر دن گزرتے ہیں۔

متقی لوگ ہمیشہ اپنے دن میں سے وقت نکال کر اپنے مقاصد پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے کون سے اعمال انجام دیے ہیں اور کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے یا نہیں۔ یہ ذہنیت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، اعمال صالحہ انجام دیتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرے۔ یہ ذہنیت اسلام کے دوسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دیے گئے مشورے کے مطابق ہے جو کہ امام اصفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 98 میں درج ہے۔ ان کا فیصلہ کوئی اور کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن۔

یہ خود تشخیص کلید ہے جو کسی کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس مرحلے کے مقابلے میں بہترین مرحلہ ہے جہاں کسی کو اپنی غلطیوں کا تب ہی احساس ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس مرحلے میں بھی اچھے دوست اور رشتہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مادی دنیا کے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے اپنی ابدی فلاح و بہبود کے لئے عقلمند اور مخلصانہ فکر مند ہوں۔ واقعی خوش نصیب مسلمان وہ ہے جس کے پاس اس قسم کے رشتہ دار اور دوست ہوں جو انہیں تقویٰ اختیار کرنے میں مدد فراہم کریں۔

کسی دن کے آغاز پر غور کرنے سے یہ بھی یقینی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے روزمرہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور ان کاموں سے گریز کرکے وقت بچاتا ہے جن میں تاخیر ہونی چاہیے۔

درج ذیل آیت میں کامیاب مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح متاثر ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور غرور کے آثار نہیں دکھانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اس طرح متاثر نہیں ہوتا ہے تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے بدل جائے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 83:

اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر وحی کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں اس وجہ ’’ سے آنسوؤں سے بہہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔‘‘

خود غور و فکر کی کمی نے مسلمانوں کو مادی دنیا میں کھو دیا ہے حالانکہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہے۔ رضاکارانہ عبادت صرف ایک ہی دور لے جائے گی لیکن ایمان کی بلندی تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے کردار پر غور و فکر اور جائزہ لینا چاہیے۔ اس سے وہ اپنی برائی خصلتوں کو ترک کرنے اور ان کی جگہ اچھی چیزوں کو لے جانے کی ترغیب دے گا۔ اس خود تشخیص اور غور و فکر کو تحریک دینے کے لیے جس اہم جز کی ضرورت ہے وہ اسلامی علم ہے جو کسی معتبر ذریعہ سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو موت اور اس کی غیر متوقع نوعیت کی یاد دلائی۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ اعمال صالحہ کرتے ہوئے عملی طور پر اس کی تیاری کریں۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت معلوم نہیں اس لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اس کی تیاری کو ترجیح دیتا ہے ان چیزوں کی تیاری پر جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے اور آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ ان لوگوں کے نقش قدم پر نہ چلیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کو فراموش کر کے اپنی زندگیاں دوسروں کے لیے وقف کر دیں۔

لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں وہ سب کو خوش نہیں کر سکتے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کسی کی حالت میں ہیں ہمیشہ ان سے ناراض نظر آتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا سبھی تجربہ کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خاندانی زندگی میں ہو، کام کی زندگی میں یا دوستوں کے ساتھ۔ ایک مسلمان کو چند آسان باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں جو انہیں اس مسئلہ پر دباؤ ڈالنے سے روکیں گی۔

اول یہ کہ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہے، حالانکہ اس نے ان کو بے شمار نعمتیں بغیر مانگے عطا کی ہیں۔ پھر یہ لوگ کسی دوسرے شخص سے کیسے خوش رہ سکتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی خوشنودی کا فقدان ان کی انہیں کچھ نہیں دیا؟ ہیں جس نے حقیقت میں شکایت اور شکرگزاری کی کمی سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی اپنے کردار کو بہتر بنا لے وہ کبھی بھی اس اعلیٰ کردار تک نہیں پہنچ سکتا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حاصل کیا تھا، پھر بھی بعض لوگوں کو وہ ناپسند تھے۔ لوگ اگر ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو ایک عام آدمی اپنی زندگی میں سب کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ لوگ مختلف ذہنیت کے ساتھ پیدا کیے گئے ہیں، وہ ہمیشہ ایسے لوگ پائیں گے جو ان کے رویے اور طرز عمل سے متفق نہیں ہوں گے۔ اس کی وجہ سے ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کسی بھی وقت کسی شخص سے خوش نہیں ہوتے۔ صرف وہی جو سب کو خوش کرنے کے قریب آسکتا ہے وہ دو چہروں والا شخص ہے جو اپنے رویے اور عقائد کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں۔ لیکن آخر کار یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے عام رسوا ہو گا۔

اس لیے تمام لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا محال ہے اور صرف ایک احمق ہی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو سب سے بڑھ کر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کا احترام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انہیں لوگوں کے منفی رویوں اور اثرات سے محفوظ رکھے گا خواہ یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن اگر وہ لوگوں کی خوشنودی کو ترجیح دیں گے تو وہ اسے حاصل نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی ناراضگی اور منفی اثرات سے محفوظ نہیں رکھے گا۔

ایک خوبصورت خطبہ - 3

ابوبکر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، قطعی اور مفید خطبہ دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ مندرجہ ذیل خطبہ امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 55 میں زیر بحث آیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان لوگوں کی یاد دلائی جنہوں نے اس دنیا سے جو کچھ حاصل کیا اس پر فخر کرتے تھے، جیسے دنیا کے بادشاہ اور فاتح سپاہی۔ اگرچہ انہوں نے دنیاوی کامیابیاں حاصل کیں اور بڑے بڑے قلعے اور سلطنتیں بنائیں لیکن پھر بھی ان کا خاتمہ اندھیری اور الگ تھلگ قبروں میں ہوا۔ انہوں نے لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے سبق سیکھیں اور اپنے طرز عمل سے گریز کریں۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑنے کا بھی درس دیتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جائے، مثلاً پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ، تو اس کا ثواب انہیں ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے پیچھے کوئی اچھی وراثت چھوڑنے کی کوشش کرے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنے مال و جائداد کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس وراثت پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑیں گے۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو یاد دلایا کہ کوئی بھی کلام اس وقت تک فائدہ مند نہیں ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ کہا جائے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔

مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہٰذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو یاد دلایا کہ مال میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ نہ کی گئی ہو۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ دنیاوی تعریفوں کے مطابق کسی صورت حال کو اچھے یا برے کے طور پر متعین نہ کریں۔ مثال کے طور پر، دنیاوی تعریف کے مطابق امیر

ہونا اچھا ہے جبکہ غریب ہونا برا ہے۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اور برے واقعات اور چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں وہ اچھی ہے خواہ دنیوی نقطہ نظر سے اسے برا ہی کیوں نہ دیکھا جائے۔ .اور ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دے وہ بری ہے خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام کی تمام تعلیمات میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قارون ایک انتہائی دولت مند شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا۔ اس وقت اور اب بہت سے لوگ اس کی دولت کو اچھی چیز سمجھتے ہیں لیکن جیسا کہ اس نے اسے غرور تک پہنچایا یہ اس کی تباہی کا ذریعہ بن گیا۔ تو اس کے معاملے میں دولت مند ہونا بری بات تھی۔ باب 28 القصص، آیات 79-81۔

“ پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہش مند تھے انہوں نے کہا کہ کاش ہم بھی ویسا ہی ہوتے جو قارون کو دیا گیا تھا، بیشک وہ بڑے خوش نصیبوں میں سے ہے، لیکن جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے :تم پر افسوس !اللہ کا اجر اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اور یہ صبر کے سوا کسی کو نہیں ملتا۔ "اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، اور اس کے لیے اللہ کے سوا اس کی مدد کرنے والی کوئی جماعت نہ تھی اور نہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا دفاع کر سکتے تھے۔"

دوسری طرف اسلام کے تیسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی دولت مند تھے لیکن انہوں نے اپنی دولت کا صحیح استعمال کیا۔ درحقیقت ایک بار کثیر مال عطیہ کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس دن کے بعد ان کے ایمان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 3701 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس اس کے معاملے میں مال ایک اچھی چیز تھی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مشکل کا سامنا کرنے کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس لیے انہیں دنیاوی نقطہ نظر سے کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی اگر وہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دے تو یہ اچھی ہے خواہ بُری لگے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو یاد دلایا کہ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس کی جہالت ان کی بردباری پر غالب آجائے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل کی مثال قرآنِ پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

"... اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔‘‘

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کرکے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر میں موجود حدیث سے 224 نمبر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ ہوتی ہے -

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو یاد دلایا کہ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کام کرتے وقت لوگوں کی تنقید سے ڈرتا ہو۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف

کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

ایک خوبصورت خطبہ – 4

ابوبکر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، قطعی اور مفید خطبہ دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام سیوطی کے، تاریخ الخلفاء، صفحہ 95-97 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تنبیہ کی کہ خواہشات کی پیروی نہ کریں کیونکہ کامیاب وہی ہے جو شہوت، حرص، خواہش اور غصہ سے محفوظ رہے۔

اگر کوئی ان خواہشات کے آگے جھک جائے تو یہ ان کی عبادت بن جائیں گی۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟"

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو چیز انسان کو جانور سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ایک اعلیٰ اخلاقی ضابطے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر لوگ اس کو چھوڑ دیں اور صرف اپنی خواہشات پر عمل کریں تو ان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ درحقیقت، لوگ بدتر ہوں گے کیونکہ وہ ابھی تک اعلیٰ سطح کی سوچ رکھتے ہیں، پھر بھی جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ لوگ حقیقت میں تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں، ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا بندہ ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہوتے ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں چاہے اس سے حیا اور شرمندگی کو چیلنج ہو۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اگلے میں یہ عطا کیا .صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخرکار اداس، تنہا، افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو تکبر اور غرور اختیار کرنے سے خبردار کیا۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ انسان کے پاس فخر کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے جب وہ مٹی سے بنائے گئے اور پھر بعد میں مٹی میں واپس آ گئے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک دن ایک دن اور ایک گھنٹہ ایک گھنٹہ جاننے کی تلقین کی۔

اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو لمبی زندگی کی امیدیں نہیں اپنانی چاہئیں اور اس کے بجائے جینے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایک وقت میں ایک دن کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ

ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کردے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں

وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو تنبیہ کی کہ وہ مظلوم کی فریاد سے بچیں۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ مثلاً روزہ اور نماز جمع کرتا ہے لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو صبر کی تلقین کی کیونکہ تمام اچھے کاموں کی بنیاد صبر ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے بھی ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا، چاہے ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب 57 الحدید، آیات 22-23:

کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی ہے سوائے اس کے کہ ہم اسے وجود میں لانے " سے پہلے ایک رجسٹر 1 میں موجود ہوں - بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔''

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ وہ فیصلہ شدہ ہے اور کوئی چیز اس کے نتیجے کو نہیں بدل سکتی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے.

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے اختیار اور حکم پر قناعت کرنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک کامل اطمینان حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت ان کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الٰہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں جو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لے جن میں صبر کرنے والے اور قناعت کرنے والے مسلمان کو ملنے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا تذکرہ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ ایمان میں فضیلت اس وقت ہے جب کوئی مسلمان نماز جیسے اعمال بجا لائے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31:

"... اور جب انہوں نے" ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔ اسے دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلے درجے تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو مسلسل چوکنا رہنے کی تلقین کی کیونکہ چوکنا مفید ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کوئی کتنا ہی دینی علم حاصل کر لے یا کتنے ہی عبادات اور اعمال صالحہ انجام دے لے وہ شیطان کے حملوں اور جال سے کبھی محفوظ نہیں رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ہر شخص پر اس حساب سے حملہ کرتا ہے کہ وہ کتنا علم رکھتا ہے اور کتنے اچھے کام کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ اس مسلمان کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا جو اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں سختی کرتا ہے کہ وہ انہیں مسجد میں باجماعت ادا نہ کرے یا انہیں اس بات پر راضی کرے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو ان کے ابتدائی اوقات سے زیادہ مؤخر کریں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ قائل نہیں کر سکے گا۔ وہ فرض نمازوں کو مکمل طور پر ترک کر دیں۔ جب کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازوں کو قائم کرنے میں تگ و دو کر رہا ہے ان کے بارے میں وہ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ ان کا قائم کرنا بہت مشکل ہے اس لیے انہیں صرف اس وقت ادا کرنا چاہیے جب وہ مکمل طور پر آزاد ہوں۔ وہ بہت سے رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے کردار کو بہتر بنانے کے لیے اسلامی علم حاصل نہ کریں اور اس پر عمل نہ کریں تاکہ وہ جھوٹ اور پشت پناہی جیسی بری خصوصیات کے ذریعے اپنے اچھے اعمال کو برباد کرتے رہیں۔

شیطان کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے درجات میں گرنے پر قائل نہ کر سکے تو اسے بلندی تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کے حملوں اور جال سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے، درجات میں اضافے، اپنے کردار کو سنوارنے اور نافرمانی کے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے جو سب کچھ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت اختیار کرنے کی تلقین کی اور اس کے بدلے میں ان کی حفاظت کی جائے گی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرے گا تو وہ اس کی حفاظت کرے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود و قیود کی حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے سے ہی یہ حاصل ہو سکتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 112:

"اور جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرتے ہیں۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔''

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اپنے فرض کی حفاظت کے بہت سے پہلو ہیں۔ حفاظت کے سب سے بڑے فرائض میں سے ایک اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے اور وعدے ہیں۔ پوری بنی نوع انسان نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو سب سے بڑا معاہدہ کیا وہ اسے اپنا رب ماننا تھا۔ باب 7 الاعراف، آیت 172:

'' اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور ان کی اطاعت کرنی چاہیے جو اس کی اطاعت کی طرف لے جائیں۔ لیکن اگر کوئی کسی کی اطاعت کرے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے تو اس نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے کو اپنا رب بنا لیا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟’’

ایک اور مثال فرض نماز کی حفاظت ہے۔ اس کا تذکرہ پورے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں بار بار آیا ہے۔ یہ فرض اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ سنن ابوداؤد نمبر 425 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص اس فرض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا اس سے بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لیکن جو اپنی فرض نمازوں کی حفاظت میں کوتاہی کرتا ہے اس کی بخشش کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

فرض نماز کی حفاظت کی طرف سنن ابن ماجہ نمبر 277 میں موجود ایک اور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی ہے کہ صرف ایک سچا مومن ہی اپنے وضو کی حفاظت کرتا ہے جو کہ نماز کی کنجی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کا ایک پہلو جامع ترمذی نمبر 2458 میں موجود ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے سر اور پیٹ کی حفاظت کی تلقین فرمائی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں آنکھ، کان، زبان اور خیالات کا استعمال بھی شامل ہے۔ معدہ کی حفاظت میں حرام مال اور خوراک کے حصول اور استعمال سے پرہیز کرنا شامل ہے۔ زبان کی حفاظت اور نفسانی خواہش کا حکم مختلف مقامات پر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 6474 میں موجود ایک حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص ان دو چیزوں کی حفاظت کرے گا وہ جنت کا ضامن ہے۔

ایک بنیادی اسلامی اصول مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر، قرآن پاک مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ جو بھی اسلام کی حمایت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حمایت کرے گا۔ باب 47 محمد، آیت 7:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

ایک اور مثال باب 2 البقرہ، آیت 152 میں ملتی ہے۔ قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، اللہ اسے یاد رکھے گا۔

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی حفاظت کرنے والے کے خاندان کی بھی حفاظت فرمائے گا۔ قرآن پاک بتاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے دو یتیموں کے دفن خزانے کی حفاظت کی جیسا کہ ان کا باپ صالح تھا۔ جس طرح ان کے والد نے اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کی، اسی طرح اس نے اپنے یتیم بچوں کی بھی حفاظت کی۔ باب 18 الکہف، آیت 82:

’’ اور جہاں تک دیوار کا تعلق ہے وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ تھا، اور ان کے والد نیک تھے۔‘‘

درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرے گا وہ یہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ دیتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔’’

بعض صورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے سے ان چیزوں کو ٹال دیتا ہے جو ظاہری طور پر اچھی معلوم ہوتی ہیں، جیسے کہ کوئی نئی نوکری ملنا، پھر بھی کوئی مخفی برائی یا مشکل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے ایمان کی حفاظت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو شکوک و شبہات، بدعات، گناہوں اور ہر اس چیز سے بچاتا ہے جو ان کے ایمان کو خراب کر سکتی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو برقرار رکھتے ہوئے دنیا سے چلے جائیں۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں دی گئی پہلی نصیحت کی مجموعی تعلیم یہ ہے کہ اسلام کی تمام حدود کی حفاظت کی جائے اور ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا۔ وہ پائیں گے کہ تمام مشکلات اور آزمائشیں قابل برداشت ہو جائیں گی اور انہیں دونوں جہانوں میں برکتیں حاصل کرتے ہوئے ان سے باحفاظت سفر کرنے کی رہنمائی ملے گی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اس نے ماضی کی نافرمان قوموں کو کیوں تباہ کیا اور فرمانبرداروں کو کیوں بچایا۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے غافل ہو جائے اور جو کچھ ہو چکا ہے۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے

ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو وہ نہ صرف اس کی مدد کرے خواہ وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ آخرکار وہ بھی اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ "

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام، اپنے پسندیدہ اعمال اور ناپسندیدہ اعمال کو واضح کر دیا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام نے حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے تاکہ ایمان اور عزت کی حفاظت ہو۔

مسلمانوں کی اکثریت واجبات سے واقف ہے اور اکثر حرام چیزوں جیسے شراب پینا۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتے، اس لیے انہیں اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق فرائض کو پورا کرو اور حرام سے پرہیز کرو۔ باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا بلکہ وہ پوچھے گا کہ اس نے رضاکارانہ عمل کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی مشتبہ یا حتیٰ کہ فضول چیزوں میں ملوث ہوتا ہے تو یہ اسے غیر قانونی کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، گنہگار تقریر اکثر بیکار اور بیکار تقریر سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے ایمان اور عزت کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ مشتبہ اور لغو باتوں سے بچ جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ وہ فرمانبردار بندے شمار ہوں گے جو اپنے انعامات کی حفاظت کرتے رہیں جب تک کہ وہ اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ سے مخلص ہوں۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے

ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ سکتے ہیں۔

آگے بڑھ رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ آخرکار انہوں نے حق کو قبول کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے اس دوسرے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اس مہم کے دوران عبداللہ ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک تیر لگا اور ان کے زخم کے نتیجے میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چالیس دن بعد فوت ہوگئے۔ ان کے دور خلافت میں مسلمانوں کا ایک وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا۔ اس نے انہیں وہ تیر دکھایا جو اس کے بیٹے کو لگا اور وفد کے ایک آدمی نے اعتراف کیا کہ اس نے تیر چلایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں کی طرف لپکتے ہیں جو کسی بھی طرح مستقبل

پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

دوسروں کو مقرر کرنا

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لوگوں کو سرکاری عہدوں پر مقرر کیا، جیسے جج اور گورنر۔ آج کے لیڈروں کے برعکس، یہ تقرریاں دنیاوی وجوہات، جیسے رشتہ دار یا دوست ہونے کے بجائے کسی شخص کی خوبیوں اور خصوصیات پر مبنی تھیں۔ اس نے جتنے بھی لوگ مقرر کیے وہ قابل اعتماد تھے اور جو فرائض انہیں سونپے گئے تھے وہ پورے کرتے تھے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 286 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع

کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

علم کے درجات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں علم کی صحیح سطحوں کے مطابق امور ملت کو چلانے میں انتھک محنت کی۔ مطلب، قرآن کریم کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، اہل علم کا باہمی اتفاق اور شاذ و نادر صورتوں میں، آزاد استدلال۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 286 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو باہمی اتفاق اور آزادانہ استدلال سے بالاتر رکھتے تھے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 20 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس عمل کی وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایک واقعہ میں ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر آپ پر مقدمہ پیش کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایسا فیصلہ جو قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں

ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

انصاف کو برقرار رکھنا

اگر چہ وہ خلیفہ اور سب سے زیادہ دیانت دار اور راست باز انسان تھے پھر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی گواہی یا فیصلے کی بنیاد پر کسی کو قانونی سزا نہیں دیتے تھے۔ اس کے بجائے وہ اپنے فیصلے کے ساتھ آگے بڑھنے سے پہلے کسی دوسرے شخص سے اپنے نقطہ نظر کی تصدیق کرے گا۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 288 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔[1] پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

واضح کرنا اختراعی نہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر حال میں اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرتے تھے۔ وہ ان تعلیمات کے مطابق معاملات کو عوام کے سامنے واضح کرتے اور ایسے نئے معاملات کو ایجاد کرنے سے گریز کرتے جن کی جڑیں ہدایت کے دو منابع یعنی قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ایک بار ایک بیٹے نے اس سے شکایت کی کہ اس کا باپ اس کا سارا مال لینا چاہتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا کہ وہ اپنے روزمرہ کے اخراجات کے لیے کم سے کم رقم لینے کا حقدار ہے اور زیادہ نہیں۔ جب والد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بچہ اور ان کا مال ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہے، انہوں نے وضاحت کی کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک باپ۔ اپنے روزمرہ کے اخراجات کا حقدار۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 289 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ جتنا زیادہ مسلمان ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دن اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنی زیادہ ثقافتی روایات کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

آخرت کا مقصد

اپنے گورنروں کو اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے نبھانے پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے، ابوبکر رضی اللہ عنہ اکثر ان کو خط لکھتے تھے کہ وہ مادی دنیا سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھائیں اور آخرت کی تیاری کے لیے بھرپور کوشش کریں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 298 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب کوئی اپنی توجہ آخرت پر مرکوز کرے گا تو وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہیں، جیسا کہ اختیار، اس کی رضا کے لیے۔ یہ شخص اور دوسروں کے لیے دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے، خاص طور پر جب وہ ایک مستند مقام پر ہوں۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیاوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیرضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

محبت

اگرچہ بہت سے جاہل لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کے ایک دوسرے کے ساتھ میل جول اور برتاؤ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے درمیان محبت اور احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان کے درمیان کسی قسم کی بدمزاجی صرف خود غرضی اور لالچ کی نشاندہی کرے گی – وہ منفی خصوصیات جن سے وہ سب آزاد تھے۔ مثال کے طور پر، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار اعلان کیا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ بھلائی کو ترجیح دی۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 4036 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان تمام اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ کی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں، کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے، تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے اس سے محبت رکھنی چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

اندرونی اور بیرونی پیچیدگیاں

ابتدائی طور پر، رومی اور فارسی سپر پاور جزیرہ نما عرب میں مکمل طور پر دلچسپی نہیں رکھتے تھے، کیونکہ یہ بنیادی طور پر صحرائی سرزمین تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ کسی بھی سپر پاور کے زیر کنٹرول نہیں تھا۔ لیکن جب اسلام نے جزیرہ نمائے عرب میں مضبوط قدم جمانا شروع کیا تو اس نے ان دو سپر پاورز کو ہوشیار کر دیا جنہوں نے مسلم قوم کو سپر پاور بننے سے روکنے کے لیے اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال جنگ موتہ ہوئی۔ یہ علاقہ رومیوں کے زیر کنٹرول تھا اس لیے دشمن کی فوج رومی اور عیسائی عربوں پر مشتمل تھی۔ یہ جنگ مسلمانوں کی بڑی فتح کے ساتھ ختم ہوئی۔

بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال میں تبوک کی جنگ ہوئی جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو رومی سرزمین تک پہنچایا۔ رومی فوج حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوف سے میدان جنگ میں پیش آنے میں ناکام رہی۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی، مسلمانوں نے رومیوں پر بہت بڑی نفسیاتی فتح حاصل کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رومیوں نے اپنی طاقت دکھانے کے لیے اسلامی سلطنت کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آخری بیماری کے دوران اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک لشکر البالقا اور فلسطین روانہ کیا۔ .اس لشکر نے مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا یہاں تک کہ انہوں نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور پھر مزید ہدایات کے لیے مدینہ واپس آگئے۔

اسی کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات نے بہت سے عرب قبائل کو، جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کیا تھا، مرتد ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے جھوٹے نبی کی پیروی شروع کر دی اور بعض نے صدقہ فطر دینے سے انکار کر دیا۔ ان عرب قبائل نے اسلام

کو صرف اس وقت قبول کیا جب یہ خطے میں غالب قوت بن گیا اس لیے ان کا ایمان ہمیشہ کمزور اور یقین کے بجائے اندھی تقلید پر مبنی رہا۔ جھوٹے نبی نے ایمان کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا۔

اس لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، پہلا رومی اور فارسی سلطنتیں اور دوسرا عرب قبائل جو مرتد ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے منطقی انداز اپنایا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ دو سپر پاورز کے ساتھ لڑائی سے باز رہے اور اس کے بجائے پہلے عرب قبائل کے ارتداد کے اندرونی مسئلے سے نمٹے۔ لیکن جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کیا، آپ نے اپنے حکم کو منسوخ کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس لیے اس نے اس فوج کو اپنے مشن کو جاری رکھنے کا حکم دیا۔

یہ ایک جرات مندانہ لیکن ہوشیار اقدام تھا، جیسا کہ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو سپر پاورز اور مرتدین پر کسی بھی لڑائی سے پہلے ہی نفسیاتی فتح عطا کی۔ عام حالات میں ایک لیڈر بیرونی مسئلے سے نمٹنے سے پہلے پہلے اندرونی مسئلے سے نمٹتا ہے لیکن ایک ہی وقت میں دونوں مسائل سے نمٹ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تاثر دیا کہ اس کے پاس افرادی قوت ہے، اسلحہ ہے۔ اور ایک ہی وقت میں دونوں مسائل سے نمٹنے کے لیے وسائل، حالانکہ اس کے پاس بمشکل کسی ایک مسئلے سے نمٹنے کے لیے وسائل تھے۔ یہ نفسیاتی فتح ناقابل یقین حد تک مفید تھی کیونکہ اس نے اسلام کے دشمنوں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ حکمت عملی سب کے لیے ایک واضح پیغام تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کا عزم کمزور نہیں ہوا تھا۔ اس واضح پیغام نے اسلام کے دشمنوں کی سازشوں اور سازشوں کے خلاف ایک عبرت کا کام کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 314-317 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت یا مشکل کے اوقات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے

ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

ایک قابل رہنما

اپنی آخری بیماری کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں سے لڑنے کے لیے ایک لشکر البالقا اور فلسطین روانہ کیا۔ اس لشکر نے مدینہ سے تین میل دور پڑاؤ ڈالا جب انہوں نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ مزید ہدایات کے لیے مدینہ واپس آگئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو اپنے مشن کو جاری رکھنے کا حکم دینے کا فیصلہ کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت کرتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ وہ بہت کم عمر اور ناتجربہ کار تھے، حتیٰ کہ بہت سے بزرگ صحابہ کے مقابلے میں انہیں قائد مقرر کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہو .آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے پہلے ان لوگوں پر تنقید بھی کی تھی جو اس طرح محسوس کرتے تھے اور یہ اعلان کرتے تھے کہ وہ قیادت کے لائق ہیں، جیسا کہ آپ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی لائق تھے۔ اس سے پہلے کی قیادت کی، اگرچہ لوگوں نے ان کی قیادت پر تقرری پر بھی تنقید کی۔ صحیح بخاری نمبر 4469 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوبارہ لشکر روانہ کیا تو بعض صحابہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کی۔ ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے، جو اس لشکر کا حصہ تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ فوج کی قیادت دوبارہ کسی ایسے شخص کو سونپی جائے جو بڑی عمر کا اور تجربہ کار ہو۔ یہ درخواست سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور تبصرہ کیا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی چھین لی تو آپ ان کو کیسے امام برطرف کریں گے۔ اسے ذاتی طور پر مقرر کیا اور واضح کیا کہ وہ قیادت کے لائق ہیں۔ محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 325-326 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی تقرری کا مسئلہ تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب سے ناراض نہیں تھے۔ اس پر انہیں صرف اس کی قیادت سے مسئلہ تھا کیونکہ وہ انتہائی کم عمر اور جنگ میں ناتجربہ کار تھا۔ ایک تجربہ کار اور خوف زدہ لیڈر کا ہونا جنگ کے دوران قیادت کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔ جس لیڈر میں یہ صفات نہ ہوں وہ اپنے حکم جاری کرتے وقت سپاہیوں کے دلوں میں تذبذب کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ ہچکچاہٹ اکثر میدان جنگ میں زندگی اور موت کا فرق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے قائد کی تقرری پر اعتراض کیا۔

اس کے علاوہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی قیادت کے لائق تھے جیسا کہ انہوں نے مثال کے طور پر قیادت کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

آخر کار اسامہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت چھوٹے تھے لیکن صحیح طریقے سے پرورش پاتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کے مطابق وہ ایک عظیم انسان اور رہنما بن گئے۔ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نوجوانوں کی پرورش پر بھرپور توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کی آنے والی نسل کو باوقار اور قابل تعریف بن سکیں۔

مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ والدین کو جو سب سے افضل تحفہ اپنے بچے کو دے سکتا ہے وہ اسے اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، ان کو مال و جائیداد کے حصول اور ان کی فراہمی میں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کی تعلیم دینے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے بھلائی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے اس سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

ایک عاجز خلیفہ

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو الوداع کرنے نکلے تو انہوں نے ان کے ساتھ چلنے کا انتخاب کیا جب کہ اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار تھے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے تعظیم کے لیے اصرار کیا کہ یا تو وہ نیچے اتریں اور ان کے ساتھ چلیں یا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سوار ہوں اور سوار ہوں۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں مشوروں سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے پاؤں خاک آلود کرنا چاہتا ہوں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 326 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

فوج کے کچھ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہچکچا رہے تھے کہ وہ ان کی قیادت کر رہے تھے کیونکہ وہ بہت کم عمر اور ناتجربہ کار تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا بہت احترام کرتے ہوئے اسامہ رضی اللہ عنہ کے اختیار پر مزید مہر ثبت کر دی۔

یہ شرم کی بات ہے کہ نیک پیشروؤں کے زمانے سے حالات اتنے بدل گئے ہیں۔ ان دنوں جب وہ لیڈر بنے تو درحقیقت عوام کے خادم بن گئے اور عوام کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اپنا ذاتی پیسہ عوام پر خرچ کرتے۔ جبکہ آج کل قائدین اور شاہی خاندان عوام کی دولت خرچ کرنے کے بجائے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قوم کے آقا ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح پیش روؤں کو اپنا نمونہ منتخب کریں اور ان کی خصوصیات کو اپنائیں ۔ مثال کے طور پر، مسلمانوں کو ان تمام لوگوں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرنے چاہییں جو ان کی نگرانی میں ہیں جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اپنی ذاتی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور پھر اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کریں اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کریں۔

اچھے ساتھی

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو الوداع کرنے کے لیے باہر نکلے تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جو اس لشکر میں شامل تھے، کو اپنے پاس رکھنا چاہا جیسا کہ وہ مخلص تھے۔ اور عقلمند مشیر۔ شاید، وہ بھی اسے واپس رکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کی تربیت کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ اسلام کا اگلا خلیفہ بن سکے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کے سربراہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس کے لیے اجازت چاہی جو فوراً راضی ہو گئے۔
امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 326-327 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

فوج کے کچھ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہچکچا رہے تھے کہ وہ ان کی قیادت کر رہے تھے کیونکہ وہ بہت کم عمر اور ناتجربہ کار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دینے کے بجائے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دینے کی درخواست کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے اختیار پر مزید مہر ثبت کر دی۔ اللہ اس سے راضی ہو۔

اس کے علاوہ، یہ اچھی صحبت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں اہم ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا، ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

منگنی کے قواعد

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو الوداع کرنے کے لیے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بعض امور پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 327 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

پہلا یہ تھا کہ اس نے انہیں خبردار کیا کہ غدار نہ بنیں۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔

لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دوسرا معاملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو نصیحت کی کہ وہ جنگی مال غنیمت کو صحیح طریقے سے تقسیم کرنے سے پہلے غلط طریقے سے نہ لیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ '' لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ "]

تیسرا معاملہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو نصیحت کی کہ وہ فریب نہ دیں۔

اس بری صفت کی جڑ جھوٹ ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ جھوٹ بولنا نفاق کا ایک پہلو ہے۔ جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ کی یہ تمام قسمیں حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانے کا باعث بنتا ہے۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت چاہتے ہیں۔ پھر بھی، جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ اپنی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جنگ کے آداب

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو الوداع کرنے کے لیے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بعض امور پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ امام محمد الصلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 327 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو نصیحت کی تھی کہ بعض معاملات میں :دشمن کے سپاہیوں کو مسخ نہ کرنا۔ پھل دینے والے درخت کو نہ کاٹنا۔ جانوروں کو غیر ضروری طور پر نہ مارنا؛ اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والی مذہبی شخصیات کو نقصان نہ پہنچانا جو دشمن کی فوج کا حصہ نہیں تھے، جیسے پادری اور راہب۔

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ آیاتِ قرآنی کے معانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے انہیں ان کے صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں کسی کے فعل کے جواز کے لیے یہ نازل ہوئی ہے۔ سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان آیات و احادیث کا جائزہ لیا جائے جو اس سے جڑی ہوئی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے۔ لہٰذا امن کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

”لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]یعنی حملہ [نہیں ہو گی۔‘‘

اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے دینا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 90:

”پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی وجہ نہیں بنائی۔‘‘

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور مجوسیوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر 2614 اور مسند احمد نمبر 2728۔

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

’’ اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔‘‘

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

"... پس جب تک وہ آپ کی طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ، آیات 8-9:

" اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے دین کی وجہ سے لڑتے ہیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں اور تمہارے نکالنے میں مدد کرتے ہیں..."

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس پر مجبور ہونا چاہیے اور اس کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان آیات کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔ اس پر

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا بہت ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار "کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5:

’’ اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔‘‘

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جنگ کا یہ بیان مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد بار واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مشرکین کا ذکر صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ کمیونٹی اور اس کے اتحادی۔ مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

" سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی۔ تو ان کے لیے ان کا معاہدہ مکمل کر دے یہاں تک کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

’’ مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا تھا؟ اس لیے جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

’’ کیسے]معاہدہ ہو سکتا ہے [جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے؟ وہ تم کو اپنے منہ سے مطمئن کرتے ہیں، لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر بدل دیا اور لوگوں کو اس کی راہ سے روک دیا۔ درحقیقت یہ برا کام تھا جو وہ

کر رہے تھے۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اور وہی لوگ فاسق ہیں۔''

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر "
"سکتے۔

اور باب 9 توبہ آیت 5:

’’ اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور
ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔‘‘

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جو بھی اس کی درخواست کریں اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کو بغیر کسی خوف اور دباؤ کے سننے کا موقع ملے یا وہ پرامن طریقے سے رہ سکیں۔ جزیرہ نما عرب کو نقصان پہنچنے کے خوف کے بغیر چھوڑ دیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

’’ اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔
پھر اسے اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔"

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے کوئی خون نہیں بہایا گیا کیونکہ اس آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا کہ یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو امن کے ساتھ چھوڑ دیں۔

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

مرتد کی جنگیں

جنونیت سے پرہیز کریں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، پہلی دو سپر پاورز :رومی اور فارسی سلطنتیں، اور دوسری عرب قبائل جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے ایک منطقی انداز اپنایا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ سپر طاقتوں سے لڑنے سے باز رہے اور اس کے بجائے پہلے عرب قبائل کے ارتداد کے اندرونی مسئلے سے نمٹے۔ لیکن جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کیا، آپ نے اپنے حکم کو منسوخ کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے علاوہ، اگرچہ اکثریت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ عرب قبائل کے خلاف جنگ نہ کریں جنہوں نے صدقہ فطر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن آپ نے ان کی نصیحت کو رد کر دیا۔ اس نے سمجھا کہ اسلام کے اس ستون کو رد کرنا کفر ہے اور اس لیے لڑنے کی واضح وجہ ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 314-317 اور صحیح بخاری نمبر 1399-1400 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اور اسلامی تاریخ کے بہت سے دوسرے واقعات ایک اہم اصول کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی اکثریت کا فیصلہ یا رائے ہمیشہ درست نہیں ہوتی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ صحیح انتخاب ہے اور اس پر عمل کرنا قابل تعریف ہے، جب تک کہ یہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق ہے، کوئی بھی کم نہیں، کسی کو بھی ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ ایک جنونی کی طرح اور صرف یہ مانتے ہیں کہ اکثریت کی رائے ہمیشہ درست ہوتی ہے۔

توسیعی طور پر، ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے، اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور یہ ماننا چاہئے کہ ان کا عالم ہمیشہ حق پر ہے اس طرح ان لوگوں سے نفرت کرتا ہے جو ان کے عالم کی رائے کی مخالفت

کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

اسلام کے لیے کھڑا ہونا

رومی اور فارسی سپر پاورز کے خطرے سے نمٹنا ایک بیرونی خطرہ تھا جس سے ابوبکر رضی الله عنہ کو نمٹنا پڑا۔ دوسرا بڑا اندرونی خطرہ بہت سے عرب قبائل پر مشتمل تھا جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے جھوٹے نبی کی پیروی شروع کر دی اور بعض نے صدقہ فطر دینے سے انکار کر دیا۔ ان عرب قبائل نے اسلام کو صرف اس وقت قبول کیا جب یہ خطے میں غالب قوت بن گیا اس لیے ان کا ایمان ہمیشہ کمزور اور یقین کے بجائے اندھی تقلید پر مبنی رہا۔ جھوٹے نبی نے ایمان کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور دنیاوی چیزوں کی لالچ ان کے کمزور ایمان پر غالب آ گئی۔ اس کے علاوہ، اگرچہ اکثریت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ عرب قبائل کے خلاف جنگ نہ کریں جنہوں نے صدقہ فطر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن آپ نے ان کی نصیحت کو رد کر دیا۔ اس نے سمجھا کہ اسلام کے اس ستون کو رد کرنا کفر ہے اور اس لیے لڑنے کی واضح وجہ ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 314-317 اور صحیح بخاری نمبر 1399-1400 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

درحقیقت اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ فرض صدقہ پر سمجھوتہ کرتے تو آخر زمانہ تک کے گمراہ اور جاہل مسلمان انہیں اسلام کی تعلیمات سے کھلم کھلا سمجھوتہ کرنے کا بہانہ بناتے۔ تب اسلام اپنا جوہر کھو چکا ہوتا اور صرف ایک خالی خول باقی رہ جاتا جہاں لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اس کی کسی بھی تعلیم پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دور رس ادراک تھا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے جب دوسرے اس میں ناکام رہے۔ اسلام کے جوہر کی حفاظت اسی لیے انہوں نے ان لوگوں سے جنگ کی جنہوں نے صدقہ فطر دینے سے انکار کیا۔ یہ تاثر اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے ان لوگوں کو دیا جنہوں نے اس پر زور دیا کہ وہ ان لوگوں سے نہ لڑیں جنہوں نے واجب صدقہ دینے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا کہ وحی کا نزول بند ہو گیا اور دین مکمل ہو گیا۔ کیا اب میں اسے کم کرنے کی اجازت دوں)تبدیل یا ترمیم کرنے (جب تک میں زندہ ہوں؟ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 361 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 2 البقرہ، آیت 85 سے مربوط ہے:

"... تو کیا آپ کتاب کے کچھ حصے پر یقین رکھتے ہیں اور کچھ حصے کو نہیں مانتے؟ پھر جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا کیا ہے؟ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں واپس بھیجے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔''

یہ ثابت قدمی کا رویہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی کاموں کے لیے کسی بھی فرض پر سمجھوتہ نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں آخرکار ان کے لیے بوجھ بن جائیں گی، اگر وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں تو آخرت میں ان کے لیے جو عذاب آنے والا ہے اسے چھوڑ دیں۔

کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ اگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور عذاب سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیں گے۔ محض کسی کی نافرمانی اور قیامت کی حقیقت کو نظر انداز کرنے سے وہ دور نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا اور مسلمان ہو گیا تو اس میں اسلام کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنا بھی شامل ہے۔ ایک شخص جو تعریف کے مطابق ملازمت کو قبول کرتا ہے اس کے ساتھ آنے والے فرائض کو قبول کرتا ہے۔ اگر وہ محض اپنی ذمہ داریاں نبھانے سے انکار کرتے ہیں تو بلاشبہ انہیں برطرف کردیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص اسلام کو اپنا دین ماننے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں عذاب اور مشکلات میں گھرا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت واجبات بہت زیادہ نہیں ہیں اور اس میں زیادہ وقت یا محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا جو بھی فرض کسی شخص پر واجب ہو وہ ان کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ان کی انتہائی سستی اور ناقص فیصلہ ہے جو انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رویے کو بدلیں اور اپنے فرائض حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ادا کریں، قبل اس کے کہ وہ کسی عظیم دن پر سخت عذاب سے دوچار ہوں۔

مدینہ کا دفاع

رومی اور فارسی سپر پاورز کے خطرے سے نمٹنا ایک بیرونی خطرہ تھا جس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نمٹنا پڑا۔ دوسرا بڑا اندرونی خطرہ بہت سے عرب قبائل پر مشتمل تھا جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے جھوٹے نبی کی پیروی شروع کر دی اور بعض نے صدقہ فطر دینے سے انکار کر دیا۔ ان عرب قبائل نے اسلام کو صرف اس وقت قبول کیا جب یہ خطے میں غالب قوت بن گیا اس لیے ان کا ایمان ہمیشہ کمزور اور یقین کے بجائے اندھی تقلید پر مبنی رہا۔ جھوٹے نبی نے ایمان کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور دنیاوی چیزوں کی لالچ ان کے کمزور ایمان پر غالب آ گئی۔ اس کے علاوہ، اگرچہ اکثریت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ عرب قبائل کے خلاف جنگ نہ کریں جنہوں نے صدقہ فطر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن آپ نے ان کی نصیحت کو رد کر دیا۔ اس نے سمجھا کہ اسلام کے اس ستون کو رد کرنا کفر ہے اور اس لیے لڑنے کی واضح وجہ ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 314-317 اور صحیح بخاری نمبر 1399-1400 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب ارتداد کرنے والے عرب قبائل نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے کے لیے اپنے نمائندے مدینہ روانہ کیے تو انہوں نے اسلام کے ہر فریضے کی مکمل سر تسلیم خم کرنے سے کم کسی چیز پر اتفاق کرنے سے صاف انکار کر دیا، جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ یہ مندوبین اسلام کے دائرے میں دوبارہ داخل ہونے پر راضی ہوئے بغیر مدینہ چھوڑ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں کی بیک وقت متعدد مشکلات سے نمٹنے کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی حفاظت کے لیے بہت سے اقدامات کیے جن میں یہ بھی شامل تھا :مکینوں کو مسجد میں راتیں گزارنے کا حکم دینا تاکہ وہ اچانک حملے سے چوکنا رہیں۔ اس نے مدینہ کے داخلی راستوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ اس نے پڑوسی قبائل سے مدد کی درخواست کی جنہوں نے ارتداد نہیں کیا اور اس کے بجائے ایمان پر قائم رہے۔ ان قبائل نے اپنے سپاہیوں کو مدینہ کے دفاع کے لیے روانہ کیا۔

کچھ عرب قبائل جنہوں نے مرتد ہو گئے، مدینہ پر حملہ کیا کیونکہ انہیں زیادہ مزاحمت کی توقع نہیں تھی، کیونکہ زیادہ تر مسلمان سپاہی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ لیکن جیسے ہی مدینہ میں کمک پہنچ چکی تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے جوانوں نے اس حملے کو کامیابی سے پسپا کر دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 364-369 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو قدم اٹھایا، وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کے دونوں پہلوؤں پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا ہے۔ دوسرا پہلو اس بات پر مکمل یقین ہے کہ صورت حال کا نتیجہ، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اکیلے کرتا ہے، تمام متعلقہ افراد کے لیے بہترین ہوگا۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

’’اے ایمان والو احتیاط کرو۔‘‘

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

نرمی

مرتد کی جنگوں کے دوران بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیلوں اور عام سپاہیوں کو تاکید کی کہ جو لوگ ارتداد سے توبہ کر لیں ان کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کریں، اس طرح وہ دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں، اور ان کے تمام حقوق ادا کریں۔ مسلمان مقروض ہے .اس نے اپنے جرنیلوں پر بھی زور دیا کہ وہ اپنے فوجیوں کے ساتھ گفتگو اور عمل کے ذریعے نرمی سے پیش آئیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 393 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایسے خطرناک اور مشکل دور میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام معاملات میں نرمی اور استقامت کے درمیان توازن کی ترغیب دی کیونکہ اس سے خیر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت

رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور " دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

ان میں سے بعض عرب قبائل جنہوں نے واجب صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا مدینہ پر حملہ کیا کیونکہ انہیں زیادہ مزاحمت کی توقع نہیں تھی کیونکہ زیادہ تر مسلمان سپاہی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ لیکن جیسے ہی مدینہ میں کمک پہنچ چکی تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے جوانوں نے اس حملے کو کامیابی سے پسپا کر دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور جنگ میں وہ کچھ عرب قبائل کو بری طرح شکست دینے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں ان قبائل نے اپنے ہی بہت سے ایسے قبائلیوں کو قتل کر دیا جو اسلام پر ثابت قدم تھے اور مرتد نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس سے مسلمانوں کے عزم کو تقویت ملی، جنہوں نے مرتدین کو شکست دینے کے لیے اس سے بھی زیادہ سخت جدوجہد کی۔ آخرکار، ان میں سے بہت سے قبائل نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور توبہ کی۔ انہوں نے اپنے وفود کو اپنے واجب صدقات کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 366-369 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے وہ دنیا اور آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ کسی مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا صورت حال اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کرنا چاہیے کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

اندھی وفاداری۔

مرتد کی جنگوں کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک اور بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑا، یعنی جھوٹے انبیاء اور ان کے پیروکار۔ اکثر صورتوں میں، ان جھوٹے نبیوں کے پیروکاروں کو اپنے لیڈروں کے جھوٹ کا علم ہونے کے باوجود ان کی اندھی پیروی کی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 398-399 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس قسم کی اندھی وفاداری اس وقت ہوتی ہے جب لوگ دنیاوی چیزوں کی بنیاد پر بندھن بناتے ہیں، جیسے کہ نسب اور دوستی۔ مسلمانوں کو اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان آپس میں خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اس جیسی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

خطرناک خواہشات

مرتد کی جنگوں کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک اور بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑا، یعنی جھوٹے انبیاء اور ان کے پیروکار۔ اکثر صورتوں میں، ان جھوٹے نبیوں کے پیروکاروں کو اپنے لیڈروں کے جھوٹ کا علم ہونے کے باوجود ان کی اندھی پیروی کی۔ دوسروں نے انہیں دولت اور قیادت حاصل کرنے کے لالچ میں قبول کیا، جس کا انہوں نے اپنے پیروکاروں سے وعدہ کیا تھا اگر وہ ان کی حمایت کریں گے۔ اس لالچ نے کچھ کمزور مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 398-399 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ اس دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح دو بھوکے بھیڑیوں سے شاید ہی کوئی بھیڑ بچ سکے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند کی نشانی نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب

تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 3114 میں پائی جانے والی ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اپنائے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے

لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

نرمی

مرتد کی جنگوں کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک اور بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑا، یعنی جھوٹے انبیاء اور ان کے پیروکار۔ اکثر صورتوں میں، ان جھوٹے نبیوں کے پیروکاروں کو اپنے لیڈروں کے جھوٹ کا علم ہونے کے باوجود ان کی اندھی پیروی کی۔ دوسروں نے انہیں دولت اور قیادت حاصل کرنے کے لالچ میں قبول کیا، جس کا انہوں نے اپنے پیروکاروں سے وعدہ کیا تھا اگر وہ ان کی حمایت کریں گے۔ اس لالچ نے کچھ کمزور مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ جھوٹے نبیوں میں سے ایک کے دو جرنیلوں، اسود الانسی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں مارے گئے تھے، نے ملت اسلامیہ کے خلاف افواج کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف لشکر روانہ کیا اور آخر کار یہ دونوں پکڑے گئے اور جنگی قیدی بنا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے گئے۔ دونوں نے اپنے اعمال سے توبہ کی اور اسلام میں دوبارہ داخل ہونے
امام محمد السلّابی کا اعلان کیا۔ اس کے نتیجے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد کر دیا۔
کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 410-411 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نرمی اور دوسروں کے عیبوں کو نظر انداز کرنا اپنانے کی اہم خصوصیات ہیں۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں کی طرف لپکتے ہیں جو کسی بھی طرح مستقبل پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از

کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

ضد سے بچنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرموت اور کندہ کے مرتدوں سے نمٹنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ ان کا اختلاف ایک معمولی بات پر ہوا جس سے گریز کیا جانا چاہیے تھا۔ حضرموت کا گورنر ایک دفعہ صدقہ تقسیم کر رہا تھا اور غلطی سے غلط اونٹ ایک شخص کو دے دیا۔ اس شخص کے اعتراضات کا جواب نہیں دیا گیا اور جب اس نے اپنے قبیلے کے ایک سرکردہ فرد سے مدد طلب کی تو اس کا نتیجہ سب سے زیادہ لڑائی کی صورت میں نکلا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 412-413 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ سادہ سا معاملہ حل ہو سکتا تھا اگر دونوں طرف سے ضد سے گریز کیا جاتا۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

برائی پر اعتراض کرنا

مرتد کی جنگوں کے دوران، کچھ عرب قبائل جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے، اپنے ساتھی قبائلیوں کے مشورے اور تبلیغ کے ذریعے اسلام میں واپس لائے گئے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ حق کے لیے کھڑے ہونے کی خاطر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں خطرے میں ڈال دیں۔ اس کی ایک مثال میراان ابن ذی رحمۃ اللہ علیہ ہے جنہوں نے نتائج کے خوف کے بغیر اپنی قوم کو کھلے عام خطاب کیا۔ ان کی مخلصانہ کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے قبیلے کو اسلام کی طرف لوٹایا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 420-421 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ .لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف ایک مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثلاً ان کے فعل یا قول سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ سچ بولنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 105۔

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو...

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فریضے کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے

مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے والی بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو"

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو برائی پر اعتراضات اسلام کی تعلیمات کے مطابق کرنا چاہیے نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق۔ ایک مسلمان یہ مان سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

ایمان کو تھامے رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قبل جھوٹے نبی اسود الانسی نے اپنا پیغام پھیلانا شروع کیا اور لوگوں کو آپ پر ایمان لانے پر مجبور کیا۔ ابو مسلم الخولانی رحمۃ اللہ علیہ اسلام پر ثابت قدم رہے جس کے نتیجے میں اسود نے انہیں ایک بڑی آگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ لوگوں کے تعجب میں آگ نے ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس کے بعد اسود کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اسے جلاوطن کر دیں اس سے پہلے کہ یہ معجزہ لوگوں کے لیے اسے مسترد کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ ابو مسلم رضی اللہ عنہ بالآخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ان کی شناخت کے بارے میں سوال کیا۔ جیسا کہ مؤخر الذکر ادراک تھا، اس نے دریافت کیا کہ کیا یہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ رکھا ہے؟ ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو حق تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس کے نتیجے میں عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فخر سے اپنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ اس نے انہیں ایک ایسی ہستی دکھائی جس کو اس نے آگ سے بچایا، جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حفاظت کی۔ باب 21 الانبیاء، آیات 28-29:

انہوں نے کہا کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو - اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو"۔ "
ہم نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔

امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 422-423 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ انتہائی مشکلات کے وقت اپنے ایمان کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

احتساب

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ، اپنے گورنروں کو ان کے اعمال کے لیے مسلسل جوابدہ ٹھہراتے اور اس تفتیش کے لیے باقاعدگی سے ان سے ذاتی طور پر ملاقات کرتے۔ وہ اکثر انہیں یاد دلاتے تھے کہ بطور لیڈر وہ عوام کے خادم ہیں اور ان کی طرح عوام کی بھلائی کے لیے انتھک محنت کرنے میں اپنا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں سادہ اور کھردری زندگی گزارنے کی ضرورت تھی تاکہ ان کے لوگ آرام دہ زندگی گزار سکیں۔ انہیں تھوڑا سا آرام کرنے کی ضرورت تھی اور اس کے بجائے لوگوں کے معاملات نمٹانے کی ضرورت تھی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 427-428 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان کا رویہ آج کے لیڈروں کے طرز عمل سے بالکل برعکس ہے، وہ اپنی رعایا پر بادشاہوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں اور اپنے لوگوں کے آرام سے زیادہ اپنے ذاتی سکون کی فکر کرتے ہیں۔

عام طور پر، اپنے اعمال کا اس قسم کا احتساب ہر ایک کو کرنا چاہیے، کیونکہ تمام لوگ، خواہ رہنما ہوں یا پیروکار، قیامت کے دن ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ہوں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان سے بہتر نہیں جانتا۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

" پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

اخلاص پر متحد ہونا

مرتد جنگوں کی ایک بڑی وجہ لوگوں کی اپنے قبیلوں اور قبیلوں سے اندھی وفاداری تھی۔ اس اندھی وفاداری نے بہت سے مسلمانوں کو مرتد ہونے کی ترغیب دی حالانکہ انہیں مسلمان ہونے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک مقصد یہ تھا کہ اپنے قبیلے، قبیلے اور خاندان سے اندھی وفاداری کے تصور کو ختم کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو جاری رکھیں۔ بلکہ اسلام کے جھنڈے تلے لوگوں کو متحد کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ مسلمان دوسروں کے حقوق ادا کریں گے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گے، چاہے ان کے درمیان کوئی دنیاوی بندھن ہی کیوں نہ ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 428-429 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کے لیے یہ اخلاص درحقیقت اسلام کی بنیاد ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے"۔"

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے"۔"

کے ذریعے چیزیں سوچنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، جو جھوٹے نبی طلیحہ الاسدی اور اس کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے، جو ایک مضبوط قوت بن چکی تھی۔ .طلیحہ نے طائی قبیلے کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دی اور انہوں نے ابتدا میں اپنے بہت سے سپاہیوں کو اس کی مہم میں شامل ہونے کے لیے بھیج کر جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بھی اس قبیلے کی طرف روانہ کیا، جس قبیلے سے وہ تعلق رکھتے تھے، تاکہ انہیں ارتداد نہ کرنے پر آمادہ کریں۔ آخرکار انہوں نے اس کی نصیحت کو قبول کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ ان جنگجوؤں کو واپس بلائے گا جو طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے۔ جب خالد آخرکار عدی سے ملے تو اللہ ان سے راضی ہو گیا، بعد والے نے سابق کو قائل کرنے میں کامیاب کیا کہ وہ طائی قبیلے پر حملہ کرنے سے باز رہیں، حالانکہ ان کے ابتدائی اقدامات کے نتیجے میں کچھ صحابہ کی موت واقع ہوئی، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے عجلت میں کام کر سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ تین دن انتظار کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت کے اندر قبیلہ طائی کے سپاہی جو شروع میں طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے واپس آگئے اور وہ سب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں خالد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہیں اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 430-437 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو طائی قبیلے پر حملہ کرنے کا اختیار تھا، پھر بھی اس نے صبر سے انتظار کیا۔ چنانچہ ایک خطرناک اور پرتشدد صورت حال صلح اور امن کی صورت اختیار کر گئی۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

مسلمانوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

حد سے زیادہ تعریف کرنا

ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت سے مختلف علاقوں میں بھیجا تاکہ بہت سے مختلف عرب قبائل کے ساتھ مشغول ہو جائیں جو مرتد ہو چکے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ جہاں بھی گئے فتح حاصل کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خط لکھا جس میں انہیں ان کی فتوحات پر مبارکباد دی لیکن سب سے پہلے ان کی کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کو ابھار کر اپنی تعریف کو متوازن کیا۔ تکبر سے بچنے کے لیے ضروری اجزاء۔ خط میں یہ بھی شامل تھا کہ "اللہ آپ کو اس نیکی میں اضافہ کرے جس سے اس نے آپ کو نوازا ہے۔ اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صدیق، صفحہ 440۔

صحیح بخاری نمبر 2662 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی تعریف کرنے سے منع فرمایا۔

یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے کیونکہ اگر تعریف جھوٹ پر مبنی ہو تو سب سے پہلے گناہ ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کی خاص طور پر تعریف کرنا درست ہے، تو جاہل ان کے غرور کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ ایک بری صفت ہے کیونکہ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حد سے زیادہ تعریف کرنے سے تعریف کرنے والے کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی صلاحیت پوری کر دی ہے، اس لیے اس کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔

کسی مسلمان کو دوسروں کی تعریف سے بے وقوف نہیں بننا چاہیے کیونکہ وہ اپنے اعمال اور باطن میں چھپے ہوئے کردار کو کسی دوسرے سے بہتر جانتے ہیں۔ اس پر اور ان گنت بار غور کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب کو لوگوں سے چھپایا ہے، انہیں غرور سے روکنا چاہیے۔

اس کے علاوہ انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو قابل تعریف صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے انہیں عطا نہیں کی، اس لیے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بن جائے جو اس کو خوش کرتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ دوسروں کو اس حدیث کے بارے میں نصیحت کریں اور تنبیہ کریں کہ وہ دوسروں کی زیادہ تعریف نہ کریں۔

صرف بعض صورتوں میں دوسروں کی تعریف قابل قبول ہوتی ہے اور اس میں ان کی زیادہ تعریف نہ کرنا، سچائی پر قائم رہنا شامل ہونا چاہیے اور یہ اس لیے کیا جانا چاہیے تاکہ وہ مزید اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ یہ خاص طور پر بچوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے کہ، ان کے اسکول کے کام کے سلسلے میں ان کی تعریف کرنا، اچھے برتاؤ اور اسلام کے فرائض کو پورا کرنا۔

ایک سنجیدہ معاملہ

مرتد کی جنگوں کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ اگرچہ وہ مرتدوں میں سے کسی کی توبہ کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے، جیسا کہ انہوں نے ہر فوجی سربراہ کو حکم دیا کہ وہ ہر مرتد فوج کو پہلے توبہ کی دعوت دیں۔ ان سے وعدہ کرتے ہوئے قبول کیا جائے گا، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے صلح نہیں کی۔ اس لیے کہ اسلام میں داخل ہونا اور خارج ہونا ایک سنگین معاملہ تھا اور اگر وہ مرتدین کے ساتھ صلح کے معاہدے کر لیتا تو اس سے باقی سب کے لیے یہ واضح پیغام جاتا کہ جب بھی وہ اسلام سے بیزار ہو جائیں تو بس اس سے نکل جائیں۔ اس سے اسلام ایک مذاق بن جاتا۔ اس کے علاوہ، ارتداد ایک سنگین جرم تھا کیونکہ یہ اسلامی ریاست کے خلاف غداری کا صریح فعل تھا۔ اس دن اور عمر میں بھی غداری کی سزا موت ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ اگرچہ وہ مرتدین کی توبہ قبول کر لیں گے لیکن ان سے سوائے موت کے اور کوئی چیز قبول نہیں کریں گے۔ اس حربے نے دوسرے عرب قبائل کے لیے بھی رکاوٹ کا کام کیا جو ارتداد پر غور کر رہے تھے۔ اس رکاوٹ نے دونوں طرف سے بہت سے لوگوں کی موت کو روکا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 440-441 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ،عام طور پر ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی

عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو کام پر اس کی زیادہ عزت ہوگی اور وہ کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد پب یا کلب میں مدعو کیا جا سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

سمجھوتہ کے بغیر لچک

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، جو جھوٹے نبی طلیحہ الاسدی اور اس کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے، جو ایک مضبوط قوت بن چکی تھی۔ .طلیحہ نے طائی قبیلے کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دی اور انہوں نے ابتدا میں اپنے بہت سے سپاہیوں کو اس کی مہم میں شامل ہونے کے لیے بھیج کر جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بھی اس قبیلے کی طرف روانہ کیا، جس قبیلے سے وہ تعلق رکھتے تھے، تاکہ انہیں ارتداد نہ کرنے پر آمادہ کریں۔ آخرکار انہوں نے اس کی نصیحت کو قبول کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ ان جنگجوؤں کو واپس بلائے گا جو طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے۔ جب خالد آخرکار عدی سے ملے تو اللہ ان سے راضی ہو گیا، بعد والے نے سابق کو قائل کرنے میں کامیاب کیا کہ وہ طائی قبیلے پر حملہ کرنے سے باز رہیں، حالانکہ ان کے ابتدائی اقدامات کے نتیجے میں کچھ صحابہ کی موت واقع ہوئی، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے عجلت میں کام کر سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ تین دن انتظار کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت کے اندر قبیلہ طائی کے سپاہی جو شروع میں طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے واپس آگئے اور وہ سب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں خالد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہیں

اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو ان دو عرب قبائل سے لڑنے کا حکم دیا گیا جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے :بنو اسد اور بنو قیس۔ قبیلہ طائی کا بنو اسد کے ساتھ صلح کا پرانا معاہدہ تھا اس لیے وہ فوری طور پر ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے خالد رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اگر وہ اس کے بجائے مارچ کر کے بنو قیس کے خلاف لڑیں۔ اس نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا، حالانکہ عدی رضی اللہ عنہ اپنی قوم پر ناراض ہو گئے تھے کیونکہ اس نے ان سے تمام دشمنوں سے اسلام کا دفاع کرنے کا مطالبہ کیا تھا، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 443-444 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے صحیح دعوت دی کیونکہ وہ طائی قبیلے کو سمجھوتہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں لانا چاہتے تھے جس سے وہ دوبارہ مرتد ہو جائیں۔ وہ واضح طور پر ایک چست قوم تھے، اس لیے ایسا ہونے کا امکان حقیقی تھا اور اگر وہ جنگ کے دوران ان سے غداری کرتے تو خالد رضی اللہ عنہ کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتے تھے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات پر سمجھوتہ کیے بغیر لچکدار انداز میں کام کیا۔ یہ اپنانے کے لیے ایک اہم خوبی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار

اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

قوم کی طاقت

ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جھوٹی نبی طلیحہ اور ان کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر خالد رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کو ایک چھوٹا مگر خوفناک پیغام بھیجا ۔ خط میں لکھا تھا" :درحقیقت میں آپ کے پاس ایسے لوگوں کے ساتھ آیا ہوں جو موت کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح آپ زندگی سے پیار کرتے ہیں۔ "جب لڑائی شروع ہوئی تو بالآخر طلیحہ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان کے خوف سے میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 446 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کا پیغام واضح طور پر مسلمانوں کے ناقابل شکست ہونے کی ایک بڑی وجہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس یقین کا یقین تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ یا تو وہ جنگ جیت کر ثواب اور دنیاوی نعمتیں حاصل کر لیں گے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مارے جائیں گے اور جنت حاصل کر لیں گے۔ آخرت کی ان کی شدید خواہش نے انہیں اپنی جان کی قیمت پر بھی اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔ اس استقامت سے محروم ہوجانا، جس کی جڑیں مضبوط ایمان پر ہیں، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ برسوں کے دوران ملت اسلامیہ کی قوت میں کمی آئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ عنقریب ایک دن آنے والا ہے جب دوسری قومیں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گی اور اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ ہوں گی۔ دنیا کی طرف سے غیر معمولی سمجھا جائے .اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نکال دے گا۔ یہ مسلم قوم کی مادی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے ہو گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ابھی تعداد میں کم تھے، انہوں نے پوری قوموں پر غالب آ گئے جبکہ آج مسلمان تعداد میں زیادہ ہیں، دنیا میں ان کا کوئی سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر

کی اور دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کی تیاری کی۔ جبکہ آج اکثر مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام گناہوں کی جڑ مادی دنیا کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی گناہ کیا جاتا ہے وہ اس کی محبت اور خواہش سے کیا جاتا ہے۔ مادی دنیا کو چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کے رشتہ دار اور دوست۔ یہ ان چیزوں کے زیادہ حصول میں ہے جو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے کہ قسمت کی محبت میں ناجائز دولت کمانا۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور اختیار کی محبت ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی لوگ مادی دنیا کے ان پہلوؤں کی زیادتی کے خواہاں ہوتے ہیں تو یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ختم ہو جاتی ہے جو مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

حالانکہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مادی دنیا کی ضرورت سے زیادہ چیزوں کا تعاقب کرنا بے ضرر ہے یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تنبیہ کی ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 3158 میں موجود ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی غربت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اس کو جس چیز کا اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی کے پیچھے لگ جائیں گے، جیسے کہ دولت کی زیادتی، اور اس کی وجہ سے وہ اس پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے اور یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ گزشتہ امتوں کا طرز عمل تھا۔

چونکہ مادی دنیا محدود ہے یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ چاہیں تو اس میں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ انہیں ان خصوصیات کو اپنانے پر مجبور کرے گا جو ایک سچے مسلمان کے کردار سے متصادم ہوں، جیسے کہ دوسروں کے لیے حسد اور دشمنی۔ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے میں مقابلہ کرنے میں بہت مصروف ہیں۔ اور وہ صحیح بخاری نمبر 6011 کی حدیث میں دی گئی اس نصیحت کی تردید کریں گے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو باقی جسم درد میں شریک ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح عمل کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ ایک مسلمان کو دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے کیونکہ وہ دنیاوی چیزوں میں اپنے ساتھی مسلمانوں پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقابلے پر قائم رہنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے مادی دنیا کی خاطر محبت، نفرت، دینے اور سب کچھ روکنے کا سبب بنے گا، جو کہ سنن

میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ ابوداؤد، نمبر 4681۔ یہ مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آج کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر مسلمان دوبارہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس مادی دنیا کے حصول اور ذخیرہ اندوزی کی کوشش پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ انفرادی سطح سے ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا اثر پوری قوم پر نہ پڑے۔

ایک برا لیڈر

مرتدوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے توبہ کا فیصلہ کیا اور اپنے واجب صدقات کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے ارادے سے بھی جمع کیا، لیکن انہوں نے اپنے قائدین کی طرف سے ایسا کرنے سے روک دیا۔ مثال کے طور پر قبیلہ بنو یربو اور ان کے سردار جنہوں نے انہیں اپنا واجب صدقہ بھیجنے سے روکا، مالک ابن نویرہ۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 458-459 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ صحیح رول ماڈل کو منتخب کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے بڑی دنیاوی کامیابیاں حاصل کیں اور بعض صورتوں میں ابھی تک بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا، وہ کم از کم ایک ایسی چیز بھی دیکھیں گے جو ان کے کارناموں کو داغدار کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرے تو انہیں کامیابی اور ان گنت چیزوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا جن سے بنی نوع انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر چہ ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹی تنقید کرتے ہیں، لیکن آپ کی انتہائی درست اور مفصل سیرت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس کی تصدیق معتبر مسلم اور غیر مسلم مورخین نے کی ہے کہ یہ تنقید کس بنیاد پر کی گئی ہے۔ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں .اس لیے مسلمانوں کو تمام رول ماڈلز کو ایک طرف رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے عیب سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اسے اپنانا چاہیے، کیونکہ یہ ہی دنیاوی اور دینی زندگی میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا‘‘۔

اس دنیا میں اس سے بڑا کوئی مقصد نہیں۔ درحقیقت یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ اپنے عقیدے سے قطع نظر کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھا ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

یہ سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص دنیوی اور دینی کامیابی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ لیکن اگر وہ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے ہیں جو بھی داغدار کامیابی حاصل کرتے ہیں وہ بالآخر ان کے لیے بوجھ بن جائے گی اور یہ ایک عظیم دن پر عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

اللہ سے وفاداری

مرتد گروہوں میں سے ایک بحرین میں واقع تھا لیکن اس کے تمام لوگوں نے اسلام کو ترک نہیں کیا۔ اہل جواثہ اسلام کے ساتھ وفادار رہے جس کے نتیجے میں ان کے قلعوں کو مرتدین نے گھیر لیا۔ آخر کار، ان کے کھانے کا سامان ختم ہو گیا اور انہیں یا تو باہر کیمپ لگائے ہوئے دشمن کے سپاہیوں سے موت کا سامنا کرنا پڑا یا پھر بھوک سے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنے ایمان میں ڈگمگاتے نہیں اور اسلام پر ڈٹے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجی گئی ایک مسلم فوج نے آگے بڑھ کر مرتد لشکر کو شکست دے کر جواثہ کے باشندوں کو بچا لیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 470-471 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اہل جواثہ دنیاوی فائدے کی خاطر سمجھوتہ کر سکتے تھے لیکن ان کے عمل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کیونکہ یہ حق ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اسلام پر ڈٹے رہے خواہ انہیں آسانی ہو یا مشکل۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہے تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں۔ ، تمام حالات میں۔

یمامہ کی جنگ

انوکھا انکشاف

بلاشبہ سب سے خطرناک جھوٹا نبی مسیلمہ، جھوٹا تھا۔ اس کے برے طریقے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں شروع ہوئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ ان میں ایک جھوٹی مسیلمہ بھی تھی جس نے مدینہ پہنچ کر کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں ملت اسلامیہ کا سربراہ مقرر کیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ڈرایا گیا کہ مسیلمہ جھوٹا آخرکار نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سزا دینے کے بجائے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 66 میں بحث کی گئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹا، نے قرآن پاک سے مماثل آیات تحریر کرنے کی کوشش کی اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ بھی الہی وحی حاصل کر رہا ہے۔ جب اس نے یہ کوشش کی تو عقل رکھنے والوں پر اس کی بے وقوفی زیادہ عیاں ہو گئی کیونکہ اس کی تحریر کردہ شاعری بے مقصد باتوں پر مبنی تھی جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس نے اندھی وفاداری کے ذریعے پیروکاروں کو حاصل کیا اور ان سے دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں کا وعدہ کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 480 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعریف حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اسے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اپنے ایمان کو مضبوط کیا جا سکے۔

یہ عمل انہیں اس کی الہی ابتداء اور اس کی آفاقی اور لازوال مفید تعلیمات کو پہچاننے کا موقع دے گا۔

قرآن پاک میں ایسی بے شمار صفات ہیں جو اسے کسی بھی دنیوی کتاب سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ پہلو اتنا شدید ہے کہ اس کی بے شمار زندگیوں میں وضاحت یا بحث بھی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ان میں سے چند ایک خوبیوں کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے، قرآن پاک میں، اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات)صرف انسانوں کو نہیں (کو ایک کھلا چیلنج دیا ہے اور نہ صرف ان لوگوں کے لیے جو اس الٰہی وحی کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے بلکہ تمام مخلوقات کے لیے ایک چیلنج دیا ہے۔ وقت کے اختتام .چیلنج یہ ہے کہ اگر لوگ یہ مانتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایسا باب تیار کریں جو قرآن پاک کے کسی باب کا مقابلہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا " ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

پوری کرہ ارض پر کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو اس قسم کا کھلا چیلنج دے سکتی ہو۔ لیکن 1400 سال پہلے قرآن کریم نے پوری کائنات کو یہ چیلنج دیا تھا اور آج تک یہ چیلنج نہ غیر مسلم جیتے ہیں اور نہ ہی انشاء اللہ کبھی مل سکے گا۔

قرآن کریم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے مستقبل کے واقعات کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان بیانات کے بارے میں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے نتائج اس وقت ناممکن نظر آتے تھے۔ مثال کے طور پر باب 48 الفتح، آیت 28:

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ دین حق کو تمام مذاہب پر غالب کر ”
دے اور اللہ گواہ کافی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کا پورا شہر اسلام تھا چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ آیت سنی تو بدقسمتی سے ان کے لیے یہ مان لیا کہ اسلام بہت کمزور ہے اس لیے زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور یقینی طور پر مکہ کی سرحدوں سے باہر نہیں پھیل سکے گا۔ پوری دنیا اکیلے .لیکن چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اس کی ایک اور مثال کس طرح قرآن پاک نے مستقبل کے واقعہ کی پیشین گوئی کی جو اس وقت ناقابل تصور تھا باب 30 اروم، آیات 2-5 میں پایا جاتا ہے:

رومیوں کو مغلوب کیا گیا ہے۔ آس پاس کی زمین میں اور ان کے زیر تسلط ہونے کے بعد وہ " عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند سالوں میں. حکم صرف اللہ کا ہے پہلے اور بعد میں۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔“

قرآن پاک کی یہ آیات ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب رومی)عیسائی (فارسیوں)آگ پرستوں (کے ساتھ جنگ میں تھے۔ اس جنگ کی تصدیق کئی مستند تاریخی کتب سے ہوئی ہے۔ اس خاص وقت میں فارسی جنگ جیتنے کے راستے پر تھے۔ ایک موقع پر روم خود فارسیوں سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رومی بالآخر فتح یاب ہو کر حکومت کریں گے۔ مکہ کے غیر مسلم جو خود بت پرست تھے انہوں نے فارسیوں کی حمایت کی اور اکثریت سے اتفاق کیا کہ رومیوں کا جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی طرح ان آیات کو درست ثابت کیا اور رومیوں کو فتح کی اجازت دی۔

ایک آخری مثال جو دنیا کے سائنسدانوں کو دلکش ہے، باب 21 الانبیاء، آیت 33 میں نظر آتی ہے:

"اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک ایک دائرے میں تیر رہا ہے۔"

صدیوں سے سائنس دان ان نظریات پر لڑتے رہے ہیں کہ نظام شمسی کو کس طرح ترتیب دیا گیا ہے جیسے کہ آیا سورج ساکن رہتا ہے اور زمین گرد گھومتی ہے یا اس کے برعکس۔ صرف نسبتاً حال ہی میں تمام مختلف عقائد اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر اعتراض؛ سورج، چاند اور زمین سب اپنے اپنے محور پر گھومتے ہیں اور ایک مقررہ مدار میں ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا۔ قرآن پاک کی سائنس سے متعلق تمام آیات کو آج سائنسدان آہستہ آہستہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک ایک اور واحد سچے خدا، اللہ تعالٰی کے الفاظ ہیں، جس نے اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا ہے، کیونکہ صرف ایک خالق ہی اپنی تخلیقات کی صحیح معنوں میں وضاحت کر سکتا ہے۔

اگرچہ قرآن کریم کے بہت سے احکام لوگوں کو سمجھ نہیں آتے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلط ہیں۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن کی حکمت انسان پر مخفی تھی وہ اس وقت ظاہر ہوئیں جب معاشرہ ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گیا۔ چونکہ پورا قرآن حکیم اور ہدایت کی کتاب ہے اس کو قبول کرنا چاہیے خواہ کوئی اس کے احکام کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہ صورت حال بالکل ایسے بچے جیسی ہے جو نزلہ زکام میں مبتلا ہو اور آئس کریم کا خواہش مند ہو لیکن اس کے والدین اسے نہیں دیتے۔ بچہ پیچھے کی حکمت کو سمجھے بغیر روتا رہے گا لیکن جو علم رکھتے ہیں وہ والدین کی بات سے اتفاق کریں گے اگرچہ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے جیسے والدین کا فیصلہ بچے پر ظلم کر رہا ہے۔

جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ احساس ہوگا کہ اس میں واضح اور لطیف معانی دونوں کے ذریعے برتری کے مختلف درجات موجود ہیں جن پر یہ بحث کرتا ہے۔ باب 11 ہود، آیت 1:

]یہ [ایک کتاب ہے جس کی آیات کو مکمل کیا گیا ہے اور پھر اس کی طرف سے تفصیل کے ..."
"ساتھ پیش کیا گیا ہے جو حکمت اور باخبر ہے۔

اس میں تاثرات بے مثال ہیں اور اس کے معنی سیدھے سادے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی آیات انتہائی فصیح ہیں اور کوئی دوسرا متن اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن کریم نے پچھلی امتوں کے قصے بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ اس نے ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیا اور ہر قسم کی برائی سے منع کیا، وہ جو ایک فرد کو متاثر کرتی ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتی ہیں تاکہ گھروں اور معاشرے میں امن و سلامتی پھیل جائے۔ قرآن مجید نظموں اور کہانیوں کے برعکس مبالغہ آرائی، جھوٹ یا جھوٹ سے پاک ہے۔ قرآن پاک کی تمام آیات خواہ چھوٹی ہوں یا لمبی، فائدہ مند ہیں۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جائے تو اس سے مختلف اہم اسباق سیکھے جا سکتے ہیں۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس قرآن پاک بار بار پڑھنے سے بور نہیں ہوتا اور حق کا متلاشی اس کے مطالعہ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نہ صرف تنبیہات اور وعدے فراہم کرتا ہے بلکہ ان کی تائید غیر متزلزل اور واضح دلائل سے کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی بھی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اس پر عمل کرنے کا ایک آسان اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک سادہ لیکن گہرے طریقے سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے اور ابدی آخرت کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کے خواہشمند کے لیے سیدھا راستہ واضح اور دلکش بنا دیتا ہے۔ اس کے اندر موجود علم لازوال ہے اور اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کے لیے شفا ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس کا اطلاق کیا جائے۔ یہ ہر ایک فرد یا پورے معاشرے کو درپیش ہر مسئلے کا علاج ہے۔ صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے تاکہ ان معاشروں کا مشاہدہ کیا جا سکے جنہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے نافذ کیا تاکہ اس کے تمام محیط فوائد کو سمجھ سکے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور لازوال معجزہ ہے جو اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ لیکن اس سے صرف وہی فائدہ اٹھائے گا جو حق کی تلاش کرتا ہے جبکہ اپنی خواہشات کے متلاشیوں کو صرف سننا اور پیروی کرنا مشکل ہوتا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

حق پر باقی رہنا

بلاشبہ سب سے خطرناک جھوٹا نبی مسیلمہ، جھوٹا تھا۔ اگرچہ بنو حنیفہ کے ان کے بہت سے قبائل اندھی وفاداری کے باعث ان کے ساتھ شامل ہوئے، لیکن دوسروں نے ایسا نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، ثمامہ ابن اثال رحمۃ اللہ علیہ، اپنے قبیلے کے بزرگ افراد میں سے تھے جو اسلام پر ثابت قدم رہے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کرتے رہے، حالانکہ ایسا کرنا ان کے اور ان کے خاندان کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ آخرکار وہ اپنا قصبہ چھوڑ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو گیا، جب وہ بالآخر یمامہ پہنچا تاکہ جھوٹے مسیلمہ کا مقابلہ کرے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 485-486 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے سے باز نہ آئیں۔ ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں ماننا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ یہاں تک کہ اگر وسیع تر معاشرہ غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے سے ان پر زیادہ اثر پڑے گا بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کر دیا جائے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور

علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

مضبوط ایمان

بلاشبہ سب سے خطرناک جھوٹا نبی مسیلمہ، جھوٹا تھا۔ ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ کے کچھ پیروکار، جھوٹے کو پکڑ لیا گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے رہنما سے بات کی اور اسے اسلام کی سچائی قبول کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے یہاں تک واضح کر دیا کہ مسیلمہ، جھوٹی، نے جو شاعری کی ہے، وہ ان کو قرآن پاک کی تلاوت کر کے بیکار کوڑے کے سوا کچھ نہیں۔ جب سردار خالد رضی اللہ عنہ کو دینے میں ناکام رہا تو آخرکار آپ نے فرمایا" :تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے مقابلے میں ہمارے لیے کافی ہے۔ اور وہ اپنے دین کی عزت کرے گا۔ درحقیقت یہ اسی کے خلاف ہے کہ تم لڑ رہے ہو، حالانکہ یہ اسی کا دین ہے جسے تم)تباہ کرنا (چاہتے ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 490-492 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ خالد رضی اللہ عنہ کے پختہ ایمان کو اجاگر کرتا ہے۔ اس نے اپنی فوج کی قیادت نہیں کی اور مسیلمہ، جھوٹے کو چیلنج نہیں کیا، اپنی اعلیٰ حکمت عملی، افرادی قوت اور ہتھیاروں پر بھروسہ کرتے ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل کو للکارا۔ ایک ایسا بھروسہ جس کی جڑیں مضبوط ایمان پر تھیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ وہ ایمان کا یقین حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلیں۔ اس کے ذریعے وہ تمام مشکلات پر کامیابی سے قابو پا لیں گے، جیسا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے کیا۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے جس سے ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مکمل طور پر مؤخر الذکر گروہ کی حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

’’جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الٰہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ’’
یہ حق ہے‘‘۔

تبدیلی کے مواقع

بلاشبہ سب سے خطرناک جھوٹا نبی مسیلمہ، جھوٹا تھا۔ ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ واشی جبیر بن مطعم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ غزوہ احد کے دوران جو کہ تیسرے سال پیش آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، واشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ ابن ابومطلب کو قتل کر دیا۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ برسوں بعد، واشی نے اسلام قبول کیا اور مسیلمہ، جھوٹے کے خلاف مہم میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین انسان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے زمین پر بدترین انسان کو مارنا چاہا۔ جنگ کے دوران واشی نے جھوٹے مسیلمہ پر نیزہ چلایا اور اسے شدید زخمی کر دیا۔ ایک اور صحابی ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے پھر مسیلمہ کو جھوٹا ختم کر دیا۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ واشی نے حزمہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً اسے سزا نہیں دی۔ اس کے بجائے، اپنی عظیم تحمل سے، اس نے اسے توبہ کرنے اور اپنے طریقے درست کرنے کا موقع دیا۔ واشی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

"اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا بلکہ حد سے تجاوز بھی نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی نام پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

" اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

دلوں کو نرم کرنا

جنگ یمامہ کے ختم ہونے کے بعد اور خالد رضی اللہ عنہ کو فتح نصیب ہوئی تو آپ نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک سردار کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس کے علاوہ، خالد رضی اللہ عنہ کو بنو حنیفہ کے بقیہ قبیلے کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے کے لیے دھوکہ دیا گیا، ایک ایسی چال جسے انہوں نے نظر انداز کر دیا کیونکہ اس سے ان کے زیادہ تر قبیلے کے افراد اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ آخرکار خالد رضی اللہ عنہ نے اس وقت لڑائی پر معاہدہ کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے آدمی پہلے ہی ایک مشکل جنگ برداشت کر چکے تھے، جس میں 1200 مسلمان شہید ہو گئے تھے، جن میں بہت سے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو وہ شروع میں غصے میں تھے، کیونکہ وہ کسی مرتد قبیلے سے صلح نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ سے معذرت کر لی۔ ، اس کے اعمال کے لئے جیسا کہ وہ ان حالات کی وجہ سے جائز تھے جن کا اسے سامنا تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 510-513 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کے اس عمل نے قبیلہ بنو حنفیہ کے دلوں کو نرم کر دیا، جس نے انہیں توبہ کرنے اور اسلام کی طرف لوٹنے کی ترغیب دی۔ خالد رضی اللہ عنہ اپنے فائدے کے لیے نرمی کے ساتھ سختی کو متوازن کرنے میں کامیاب رہے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام عام طور پر نمبر 3689 میں موجود اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ ۔ قرآن کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی ہے تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

" پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ
انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نبی حضور یہ کیوں ہے ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی یہ خوبی اور
متنبہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم گیا ہے ۔
:ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ’’
اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی بجائے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم اپنے بچوں ان کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے یہ مثال
مزاجی کا مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
ایک سخت مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔ حضور ہیں اور یہ روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
کی مثال کے طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام مسجد میں پیشاب کیا
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ حضور
میں موجود نمبر 529 ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ مسجد میں رہنے کے آداب کو نرمی سے سمجھایا
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ حدیث میں مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت
موسیٰ علیہ السلام حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔
نرم اور مہربان فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا
:حپٹر 79 نضیات، آیت 24 تقریر کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

اور باب 20 طہ، آیات 43-44:

" تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے"۔

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی بچے طرف دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ؟ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، ایک بار ایک حدیث میں صحیح مسلم نمبر 6601 میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ تعالیٰ اللہ مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ ،اعلیٰ اپنے لامحدود وقار کے مطابق اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ نرمی سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ ۔ یہ غلط عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ نہیں ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

حدود کو سمجھیں۔

جنگ یمامہ کے ختم ہونے کے بعد اور خالد رضی اللہ عنہ کو فتح نصیب ہوئی، قبیلہ بنو حنیفہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہوا، جس کے نتیجے میں چند ایک کے علاوہ سب نے توبہ کی اور واپس لوٹ گئے۔ اسلام ایسا ہی ایک شخص جس نے توبہ نہ کی وہ سلمہ ابن عمیر تھے۔ اس نے خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے شیطانی منصوبے پر عمل کرتا اسے پکڑ لیا گیا۔ اس کے بعد اسے توبہ کا جھانسہ دے کر رہا کر دیا گیا اور ایک بار پھر خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس کی دوسری کوشش کے دوران اس پر حملہ کیا گیا اور اس کا پیچھا کیا گیا یہاں تک کہ وہ کنویں میں گر کر مر گیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 516 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، اگرچہ اکثر لوگ حق کی طرف مائل ہو جائیں گے جب وہ ان پر واضح ہو جائے گا، لیکن کچھ ایسے ہیں جو کبھی اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے برائی کو اپنا راستہ بنا لیا ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

" پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے..."

جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں انہیں اس وقت الگ ہو کر دوسروں پر توجہ مرکوز کریں ۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے چاہیے کہ وہ اس صورت میں بھی ایک

مسلمان کو چاہیے کہ وہ گناہگار کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر سکتے ہیں۔
:63 باب 25 الفرقان، آیت

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ بلاشبہ ایک دن آئے گا جب اللہ
:باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔

اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے " ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں
"کرتے۔

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ نمبر 4244 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس ۔ کہ گناہ کیسے ہوتا ہے
:باب 83 المطففین، آیت 14 کا روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے اور اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ انہیں دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا
کے پہلے سے جو اس ذہن بناتا ہے اور پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے
طے شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے
پہلی ذہنیت صرف ذاتی ۔ مضبوط شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
میڈیا سطح سے لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون کے کام کی .وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ ثبوت کے بٹس تلاش کریں۔
کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف
دعوت دینے پر توجہ دیں۔

مخلصانہ توبہ

اگر چہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مرتد ہونے والوں نے مخلص مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ تکلیف اور پریشانی کا باعث بنی، لیکن ان میں سے جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور اسلام کی طرف لوٹ آئے، ان کو معاف کیا گیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا گیا۔ احترام اور عزت کے ساتھ، بالکل اسی طرح جیسے مرتد ہونے سے پہلے ان کے ساتھ عزت اور احترام کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے جسم اور مال سے جہاد کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 429-430 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کی ایک مثال جھوٹا نبی طلاحیہ ہے جس نے بہت سے مخلص مسلمانوں کو قتل کیا اور ملک میں بہت زیادہ فساد پھیلایا۔ شکست کھانے اور اپنی زندگی کے لیے بھاگنے کے بعد، اس نے بالآخر توبہ کی اور دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد مکہ کی زیارت)عمرہ (کرنے کے ارادے سے مدینہ سے گزرے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے لوگوں سے صرف اتنا کہا کہ انہیں چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 448 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو ان لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں پشیمانی کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ

کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ ، عالی، اور لوگ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں کو اعمال صالحہ کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جس کی بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 550 میں موجود ہے۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو ان کے درمیان چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور کبیرے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ کرے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ۔

کبھی دو بار بیوقوف نہیں بنایا

جن مرتدین نے توبہ کی اور اسلام کے دائرے میں واپس آ گئے انہیں دوبارہ مسلم معاشرے میں قبول کر لیا گیا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کیا گیا۔ لیکن جیسا کہ وہ حال ہی میں اسلام کی طرف لوٹے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں سردار یا گورنر مقرر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں مرتد کی جنگوں سے آگے کی لڑائیوں میں حصہ لینے سے بھی منع کیا۔ اگرچہ اس نے مسلمانوں کے طور پر ان کے مکمل حقوق فراہم کیے، لیکن اس سے کم نہیں، اس نے عام مسلم آبادی اور فوجوں کی حفاظت کے لیے اس طرح کا برتاؤ کیا جو اس نے اس وقت کی سپر پاورز :رومیوں اور فارسیوں سے لڑنے کے لیے بھیجی تھیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 449-450 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگر یہ سابقہ مرتدین ایک بار پھر اسلام کو ترک کر دیتے جب کہ ایک مسلم فوج گھر سے بہت دور تھی اور بعد کے وطن میں ایک سپر پاور کے ساتھ مشغول تھی، تو یہ اس مسلم فوج کے لیے تباہ کن تھا۔ اس کا طرز عمل لوگوں کے حقوق پر اندھا اعتماد کیے بغیر ان کی تکمیل کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی چیز یا کسی سے دو بار بیوقوف نہیں بنتا۔ اس میں گناہوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ ایک سچا مومن گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ ان کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہ اپنی غلطی کو نہیں دہراتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرکے سیکھتے ہیں اور بہتر کے لیے بدلتے ہیں۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے گئے ہیں تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟‘‘

لیکن انہیں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ کسی پر ظلم کرتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہوتا ہے کیونکہ سچا مومن وہ ہے جو اپنے تجربات اور علم سے مسلسل سیکھتا ہے تاکہ اس میں بہتری لائی جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اضافہ کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس سے پرہیز کرے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

برتری اور کامیابی

مرتد کی جنگوں سے سیکھنے کا ایک بڑا سبق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے جس میں اس کے احکام کی تعمیل شامل ہے۔ اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی خلوص دل سے قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ باب 24 النور، آیات 55-56:

”اللہ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین پر حکومت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو دیا تھا اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قائم کرے گا۔ جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور یہ کہ وہ ان کے خوف اور سلامتی کے بعد ان کی جگہ ضرور لے گا، کیونکہ وہ میری عبادت کرتے ہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ لیکن جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ یہ ان کے ایمان سے محروم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

”پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو“۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ سی تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

قرآن مجید کی تالیف

قرآن مجید کو جمع کرنا

یمامہ کی جنگ کے بعد، جس میں بہت سے مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوئیں، جن میں سے اکثر نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، عمر بن خطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوف سے قرآن مجید کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ترغیب دی کہ آیات اگر قرآن پاک کے حافظ مرتے رہے یا لڑائیوں میں شہید ہوتے رہے تو ختم ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے قرآن کریم کی آیات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھیں، بلکہ وہ یا تو حفظ کی جاتی تھیں یا مختلف چیزوں مثلاً پتھروں پر لکھی جاتی تھیں، جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھیں۔ ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایسا کام کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں بہت سخت تھے۔ لیکن جب آخرکار عمر نے اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ قرآن کریم کی آیات کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے لیے یہی بہترین عمل ہے۔ ابوبکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم اور مشکل کام کے لیے مقرر کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور آخر کار ان کی بیٹی اور مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔ اس سے خوش .صحیح بخاری نمبر 7191 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

انہوں نے قرآن پاک کو مستقبل کے مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے انتھک محنت کی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی عظیم میراث کا احترام کریں کیونکہ یہی ان کی قربانیوں کا مقصد تھا۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی

زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

جب کوئی شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق ادا کرنے والے شخص تھے۔ توسیع کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور اس وقت کے سچے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں ایک پرامن اور مستحکم معاشرہ وجود میں آیا۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیے جیسے کہ ان کے حقوق ادا کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور

پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

ایمان امن لاتا ہے۔

جب کوئی شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق ادا کرنے والے شخص تھے۔ انہوں نے اپنی ذاتی اور سیاسی زندگی کے ہر پہلو میں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کیا۔ توسیع کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور اس وقت کے سچے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں ایک پرامن اور مستحکم معاشرہ وجود میں آیا۔

بدقسمتی سے وہ کچھ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس دنیا میں ایمان کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے جو مسلمان ہیں دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے بغیر اسلام کا دعویٰ کرنا کافی ہے۔ لیکن معاشرے کے اندر جرائم میں اضافہ ایمان کی اہمیت کو ثابت کرتا ہے اور علم و عمل سے اس کو تقویت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرائم اور گناہ صرف اس صورت میں ہوتے ہیں جب ایک شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے یا تو اپنے اعمال کے لیے کوئی نتیجہ نہیں بھگتنا پڑے گا، جیسے کہ جیل، یا وہ کسی طرح ان سے بچ جائیں گے، مثلاً ملک سے فرار ہو کر۔ لیکن جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ چاہے وہ کوئی بھی عمل کرے، خواہ کھلا ہو یا خفیہ، بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ایک دن کوئی بھی حربے آزماتا ہے، بلاشبہ وہ ایسا وقت آئے گا جہاں اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا، وہ کرنے سے پہلے ہمیشہ دو بار سوچے گا۔ جرم یا گناہ؟ اگر اس عقیدہ کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے تقویت دی جائے تو یہ جرائم اور گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائے گا۔ اگر لوگ اس طرح کام کریں تو معاشرے میں امن اور انصاف پھیلے گا۔ جرائم کی شرح میں کمی آئے گی اور زمانہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحیح ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور سے قریب تر ہو جائے گا۔ صرف یہی حقیقت ایمان کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے اور معاشرے میں علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اسے مضبوط کرتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 90:

’’ بے شک اللہ عدل اور حسن سلوک اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے کام اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم نصیحت حاصل کرو۔"

شیطانی سازشیں

مرتد کی جنگوں سے سیکھنے کا ایک بڑا سبق یہ ہے کہ جب کوئی برائی کی سازشیں کرتا ہے، جلد یا بدیر، اسے اس دنیا میں اپنے برے رویے کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ توبہ کرنے میں ناکام رہے تو اس دنیا کے بعد جو کچھ آئے گا وہ ان کے لیے اور بھی تباہ کن ہوگا۔

اس لیے کسی مسلمان کو کبھی بھی کسی برے کام کی سازش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی طریقے سے ان پر الٹا اثر کرے گا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"... لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

پیغام پھیلانا

مرتدین سے نمٹنے کے بعد، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، پھر اپنی پوری توجہ اس وقت کی دو سپر طاقتوں :رومیوں اور فارسیوں کی طرف سے لاحق خطرے سے نمٹنے پر مرکوز کر دی۔ یہ دونوں سپر طاقتیں مسلمانوں کے خلاف حرکتیں کر رہی تھیں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے مرتدین کو ہتھیار فراہم کیے اور اسلامی سلطنت کی سرحدوں کے آس پاس کے علاقوں میں سپاہیوں کو بھیجنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے علاقوں میں اسلام کی پرامن تبلیغ کو روک رہے تھے اور اپنے شہریوں کو اسلام پر غور کرنے سے ڈرا رہے تھے۔ یہ ایک اور وجہ تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف لڑنا پڑا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 551-552 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نیکی کا ،دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے عام طور پر دیکھا جائے تو جب بھی کوئی طرز زندگی کو غافل کے بہت سے دوسرے لوگوں حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو وہ کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے حق ایم کو اس بات کی ترغیب دے گا جو چیلنج کر رہا ہوتا ہے کو جھٹلانے کی بڑی وجہ علیہم السلام کے خلاف مزاحمت کریں۔ تمام پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء یہی تھی۔ وہ اپنے طرز زندگی اور خصائل کو ترک نہ کر سکے اور ان کے دفاع میں اللہ تعالیٰ وسلم اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ ،عالی مقام ۔ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کی طرف ہو جب کوئی یہ اہم فرض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے رشتہ داروں سمیت دوسروں اس پر انبیاء علیہم السلام سے پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پھر بھی انہیں بے شمار ،بلند پایہ ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں ،ان پر ہو سلامتی ، ان کی قوموں سے انسان کو صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے ۔ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور آپ وسلم مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس پر درود و سلام ہو ۔ لیے نمبر 2472 میں جامع ترمذی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک بار ،صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ۔ اُس سے بڑھ کر ۔ کو اللہ کی راہ میں ایذاء نہیں پہنچائی گئی کہ مخلوق میں سے کسی موجود ہے

ردعمل کو پڑھا لکھا، احترام والا ہونا دوسروں کے برے رویے پر معاملات میں اس طرح کے : میں ملتی ہے آیات 46-47 ، باب 19 مریم اس کی ایک مثال اور نرم چاہیے۔

]اس کے والد [نے کہا، "اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں کی خواہش نہیں رکھتے؟ اگر تم باز نہ " آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، اس لیے مجھ سے زیادہ دیر تک بچو۔) "ابراہیم نے (کہا تم پر سلامتی ہو، میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

اس کے بڑے کے ،اس پر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہربان اور احترام والا جواب بحث کی جاتی ہے پر سخت رویے.

اگر ایک شخص ہر کسی کے ساتھ مل کر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس ، زیادہ تر معاملات میں میں کردار کی خامی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے ارکان کے اندر اختلافات کی وجہ سے ایک شخص کبھی بھی سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ ایک یا زیادہ ہوں گے جو متفق نہیں ہوں ان کی ذہنیت، طرز زندگی اور مشورے کے ساتھ یہ تنوع تناؤ اور کبھی کبھار مسائل کا گے۔ اکثر صورتوں میں اس سے ظاہر تو باعث بنے گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو سب پسند کرتے ہیں ہوتا ہے کہ اس نے دو رخی ہو کر منافقوں کی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم ایک عام آدمی کیسے کر سکتا سب کی طرف سے پیار نہیں کیا گیا تھا ،ان پر ہو الصلوٰۃ والسلام پروپیگنڈے پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جس کہ اس حیثیت کو حاصل کریں؟ یہی وجہ ہے ہے ان پر ہو اس کی السلام تھے۔ گروہ کے ساتھ اس طرح سب سے زیادہ ظلم کیا گیا وہ انبیاء علیہم میں موجود حدیث سے ہوتی ہے ۔ نمبر 4023 تصدیق سنن ابن ماجہ

ایک بار ایک بے شرم عورت نے ناجائز تعلقات علیہ السلام پر مثال کے طور پر حضرت موسیٰ ۔ کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ اللہ کے دشمن کی طرف سے اس پر بہتان لگانے پر آمادہ ہوئی تھی ایک مذہبی اجتماع کے ،اس نے السلام حضرت موسیٰ علیہ قرعون۔ جب اس نے الزام لگایا ، بلند دوران عوامی طور پر اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب اس نے اس کا ردعمل دیکھا تو اس نے فوراً تباہ شدہ ،بلند و بالا تعالیٰ اپنا الزام واپس لے لیا اور سچائی کا اعتراف کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ قرعون نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے عظیم خزانے کو نگل جائے۔ یہ واقعہ امام ذہبی :میں درج ہے ۔ باب 28 القصص، آیت 81 رحمۃ اللہ علیہ کے کبیرہ گناہوں صفحہ 166-167

اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا‘‘۔ ’’

کئی مواقع پر تہمتیں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے مشن پر ثابت قدم ان پر سلامتی ، انبیاء علیہم السلام کام کو کسی جب اللہ تعالیٰ سربلند ۔ رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے انہیں فتح نصیب ہوئی ایمان کا سچا کلمہ پوری مخلوق میں اس کی مدد کرنا مکمل کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جیسے کہ اسے روک نہیں سکتا۔ پھیلاتا ہے ۔

مسلمانوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کو پھیلاتے وقت مشکلات کا سامنا کریں گے۔ ثابت قدم رہنے میں مشکلات ۔ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلیں کہ اسلام کا اس لیے ان کو چاہیے اور نیک پیشرو۔ اگر کوئی ،ان سے راضی رہو کا یہی رویہ تھا ۔ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ اگلے جہان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

فارسیوں کے خلاف مہم

چیزوں کو آسان بنانا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق میں فارسیوں کی طرف فوجیں روانہ کیں، لیکن انہوں نے اپنے جرنیلوں :خالد بن ولید اور عیاض ابن غنم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسلمان سپاہیوں کو اپنی مہم میں شامل ہونے پر مجبور نہ کریں۔ .اس کے بجائے، اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہر ایک فوجی کو ایک اختیار دیں، یا تو ان کے ساتھ آگے بڑھیں یا اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 555-556 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جنہوں نے ہمیشہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی، خواہ اس سے ان کی اپنی زندگی مشکل ہو جائے۔ مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ ایک خطرناک وقت میں مسلم قوم کا ساتھ دیں، پھر بھی اس نے لوگوں کو بھرتی کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

عام طور پر، دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کے اس طرز عمل کو اپنانا چاہیے۔

آج کے دور میں جہالت کی وجہ سے والدین جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگرچہ مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6655 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں پر رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اس رحمت کا ایک پہلو ایک مسلمان کے لیے یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں، جب کوئی مسلمان دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ان کے لیے عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں پر رحم کرنے کے لیے انہیں صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو پریشان کیے بغیر ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں تو وہ خود کر سکتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔

سننا اور اطاعت کرنا

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف فوجیں روانہ کیں تو انہوں نے اپنے کچھ رہنماؤں کو حکم دیا کہ وہ ایک ہی رہنما کی قیادت پر عمل کریں، کیونکہ جنگ میں الجھن سے بچنے کے لیے بالآخر ایک ہی شخص کی قیادت کرنی چاہیے۔ اس کے تمام رہنما اس کے حکم کے تابع ہو گئے اور جن کی پیروی کا انہیں حکم دیا گیا تھا ان کی خلوص نیت سے اطاعت کی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 556-557 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص تھے اور دنیاوی چیزوں کی خواہش نہیں رکھتے تھے جیسے کہ قیادت۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے تھے، چاہے اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ دوسروں کی رہنمائی کر رہے ہیں یا ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ

کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

نتائج کا سامنا کرنا

عراق کی طرف مہم کے دوران، خالد بن ولید اور ان کی فوج، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر، ایک اور مسلم فوج کی مدد کے لیے تیزی سے آگے بڑھے، جس کی قیادت عیاض ابن غنم رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ جب سابقہ دومۃ الجندل پہنچے تو دشمن کے لشکر کے سرداروں میں سے ایک عقیدیر ابن عبدالملک نے دشمن کے دوسرے لیڈروں کو پیچھے ہٹنے اور خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغول نہ ہونے کی ترغیب دی، جیسا کہ وہ پہلے راستے عبور کر چکے تھے۔ غزوہ تبوک کے دوران جو مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال میں پیش آئی، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عقیدیر کو پکڑ لیں، جو سرداروں میں سے ایک تھا۔ دشمن کی فوج کی .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کے بعد، عقیدیر کو ان سے یہ وعدہ لے کر آزاد کر دیا کہ وہ دوبارہ کبھی مسلمانوں سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس نے اس وعدے کو توڑا اور اس کے نتیجے میں ہمیشہ اپنی جان کا خوف رہا۔ اس کے بعد عقیدیر دومۃ الجندل سے بھاگ گیا لیکن ایک بار خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پکڑے جانے کے خلاف تھا۔ اس کی غداری کے بہت سے کاموں کی وجہ سے اسے پھانسی دی گئی۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 593-594 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی شخص کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا . یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔ گا کرنا پڑے

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت ان ظالم لیڈروں کے رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے میں تھے، ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جو اللہ

تعالیٰ کی رضا مندی کے ساتھ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ مند ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ آخرکار ہوں گے۔ جس سے کوئی ان سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

اچھے ساتھیوں کا انتخاب

عراق کی مہم کے دوران، دو مسلمان جو عراق میں غیر مسلموں کے درمیان رہ رہے تھے، ایک لڑائی کے دوران غیر ارادی طور پر مارے گئے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان تمام مسلمانوں کو خط لکھا جو غیر اسلامی علاقوں میں مقیم تھے اور انہیں تنبیہ کی کہ ایسا اس لیے ہوا کہ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کا انتخاب کیا۔ مطلب، انہیں اسلامی کنٹرول والی سرزمینوں کی طرف ہجرت کرنی چاہیے تھی، خاص طور پر جنگ کے وقت۔ یا کم از کم، انہیں مسلمان سپاہیوں پر اپنا ایمان ظاہر کرنے کے لیے آنے والی مسلم فوج کی طرف بھاگ جانا چاہیے تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 598-599 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگر چہ وہ حالات خراب ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے دونوں مسلمانوں کو ایک غیر مسلم سرزمین میں رہنے پر مجبور کیا گیا تھا، حتیٰ کہ جنگ کے زمانے میں بھی، یہ واقعہ اچھی صحبت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ ان کی موت تک.

سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔

تمام مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا شمار اگلے جہان میں صالحین کے ساتھ ہو۔ لیکن یہ حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ مسلمان صرف اسی صورت میں صالح سمجھا جائے گا جب وہ صالحین کی تقلید کرے گا۔ یہ تقلید ایک عملی چیز ہے نہ کہ صرف الفاظ کے ذریعے اعلان۔ یہ تقلید صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کی جاتی ہے۔

لیکن جو لوگ زبانی طور پر صالحین سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی نقل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور ان خصوصیات کی نقل کرتے ہیں جو منافقوں اور گنہگاروں میں پائی جاتی ہیں انہیں ان میں سے ایک سمجھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا ایمان کھو دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نافرمان مسلمان سمجھا جائے گا۔ ایک نافرمان مسلمان کو فرمانبردار مسلمان کیسے شمار کیا جا سکتا ہے اور نیک لوگوں پر ختم کیا جا سکتا ہے؟ یہ صرف خواہش مندانہ سوچ ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 20:

"دوزخ کے ساتھی اور اہل جنت برابر نہیں ہیں۔ جنت کے ساتھی - وہ [کامیابی [پانے والے ہیں۔"

ایک متوازن رویہ

عراق میں کامیابی کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو اس کے اندر تعینات رہنے کا حکم دیا اور خفیہ طور پر حج کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے اسے خفیہ رکھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دشمن کی فوجیں یہ جان لیں کہ اس نے عراق چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اس سے انہیں صرف اعتماد ملے گا۔ حج کی ادائیگی کے بعد وہ عراق میں اپنی فوج میں واپس چلا گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اس بات کا علم حاصل کیا کہ حج کا موسم ختم ہونے کے بعد کیا ہوا۔ ابتدا میں ابوبکر کو اس بات پر غصہ آیا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے کمزور وقت میں اپنی فوج کو چھوڑنے کے لیے ان سے اجازت نہیں لی، اس نے متوازن انداز اپنایا اور اپنی تعمیری تنقید کو محض الفاظ تک محدود رکھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 601-602 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مسئلے کو ایک طویل بحث میں بدل سکتے تھے لیکن اس کے بجائے دانشمندی سے ایسا نہ کرنے کا انتخاب کیا کیونکہ بحث کرنے سے اکثر زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

عام طور پر جامع ترمذی نمبر 1993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑنے سے گریز کرے اسے جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر دیا جائے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک سچے مسلمان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنی رائے کو فروغ دینے کے لیے بحث و مباحثہ نہ کرے۔ اس کے بجائے انہیں سچائی کو فروغ دینے کے لیے معلومات پیش کرنی چاہیے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ جس کا مقصد حق کو فروغ دینا ہو وہ بحث نہیں کرے گا۔ صرف وہی جو خود کو فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے برعکس جو بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دلائل جیتنے سے کسی کے درجے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ دونوں جہانوں میں کسی کا درجہ صرف اس وقت بڑھتا ہے جب وہ بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے بجائے سچ کو پیش کرتے ہیں یا جب ان کے

سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اسے قبول کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو کسی بات پر بحث کرتے وقت دوسروں کے ساتھ آگے پیچھے جانے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ یہ بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔ یہی صحیح ذہنیت ہے جس کی طرف باب 16 النحل آیت 125 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو بہترین ہو‘‘۔

ایک مسلمان کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا فرض یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ ان کا فرض صرف سچ کو پیش کرنا ہے کیونکہ زبردستی بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔

ایک مسلمان کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی دباؤ ڈالنا چاہئے اگر دوسرے ان کی رائے سے متفق نہ ہوں۔ جب کوئی شخص وقت کے ساتھ ان اختلافات کو برقرار رکھتا ہے تو یہ ان کے اور دوسروں کے درمیان دشمنی کا سبب بن سکتا ہے، جو ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے تعلقات کا باعث بن سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے لوگوں کے ساتھ تعلقات توڑنے کا گناہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ چیزوں کو جانے دیں اور کسی ایسے شخص کے بارے میں منفی جذبات پیدا نہ کریں جو ان کی رائے اور انتخاب سے متفق نہیں ہے۔ اس کے بجائے انہیں اپنے آپ کو اختلاف رائے پر راضی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا چاہیے اور بغیر کسی بیمار جذبات کے صورتحال سے آگے بڑھنا چاہیے۔ ایسا کرنے میں ناکام رہنے والا اپنے آپ کو ہمیشہ دوسروں کے لیے جھگڑا اور دشمنی میں مبتلا پائے گا کیونکہ وہ اپنی خصوصیات اور ذہنیت کے فرق کی وجہ سے بعض موضوعات اور مسائل پر دوسروں سے اختلاف کرنے کے پابند ہیں۔ اس اصول کو سمجھنا اس دنیا میں امن کی تلاش کا شاخسانہ ہے۔

اعمال کے ساتھ یقین

ایک صحابی، شورابیل ابن حسنہ نے ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک خواب دیکھا اور بیان کیا۔ طویل خواب نے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شام میں فتح عطا فرمائے گا اور ان کی وفات قریب ہے۔ خواب سن کر رو پڑے اور کہا کہ میں نیکی کا حکم دیتا رہوں گا، برائی سے منع کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کرنے والوں پر سختی کروں گا۔ وہ اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے متعلق کسی معاملے میں کمزوری اور سستی کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دے گا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 621-623 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ اعمال کے ساتھ اپنے عقیدے کی حمایت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ محض زبان سے ایمان کا اعلان کرنا کافی نہیں ہے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل.

رومیوں کے خلاف مہم

وکیل تلاش کرنا

عراق میں کامیابی کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام میں رومیوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ جب رومیوں نے سپاہیوں کو اسلامی قوم کی سرحد کی طرف منتقل کرنا شروع کیا تو وہ سمجھ گئے کہ ان پر حملہ کرنے سے پہلے یہ صرف وقت کی بات ہے۔ آپ نے اپنے خیالات کے بارے میں بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور وہ سب اس معاملے میں آپ کی بات سننے اور ماننے پر راضی ہوگئے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 624-628 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرکے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ علم رکھنے والوں سے مشورہ کریں۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہوگا اسی طرح ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اس کے بارے میں اور ان سے جڑی اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں . اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومی سلطنت کے خلاف جنگ کا عزم کرنے کے بعد یمن کے مسلمانوں کو خطوط بھیجے جس میں انہیں اس مہم میں شامل ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ انہوں نے انہیں بیرونی خطرات سے اسلام کا دفاع کرنے کا ان کا فرض یاد دلایا اور اس حقیقت کو بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان مسلمانوں سے راضی ہوتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کے اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 628-629 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی ترغیب دی۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

مضبوط دل

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومی سلطنت کے خلاف جنگ کا عزم کرنے کے بعد یمن کے مسلمانوں کو خطوط بھیجے جس میں انہیں اس مہم میں شامل ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ انہوں نے انہیں بیرونی خطرات سے اسلام کا دفاع کرنے کا ان کا فرض یاد دلایا اور اس حقیقت کو بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان مسلمانوں سے راضی ہوتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کے اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں یمن کے بہت سے مسلمانوں نے اس مہم میں رضاکارانہ طور پر شرکت کی۔ ان میں سے بہت سے لوگ مدینہ پہنچ گئے اور مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد اور قرآن پاک کی تلاوت سن کر اس میں بیان کردہ گہرے دل کو چھونے والی سچائیوں کی وجہ سے رو پڑے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رو پڑے اور تبصرہ کیا کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی دل سخت ہوتے گئے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 628-631 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے تبصرے میں نرم رویہ اختیار کر رہے تھے لیکن درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل قرآن کریم کی تعلیمات پر اس قدر پختہ ہو گئے کہ اس کی وجہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ پرسکون اور اجتماعی ہو جاتے ہیں، حالانکہ ان کے روحانی دل اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل عاجز تھے۔ قرآن پاک سیکھ کر اس پر عمل کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی روشنی میں، نرم روحانی قلب کا باعث بنتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخرکار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اسے اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے اعضاء کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 کی ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیوی اور دینی دونوں طرح کی کامیابی حاصل کر سکے۔

سپیریئر والے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومی سلطنت کے خلاف جنگ کا عزم کرنے کے بعد یمن کے مسلمانوں کو خطوط بھیجے جس میں انہیں اس مہم میں شامل ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ انہوں نے انہیں بیرونی خطرات سے اسلام کا دفاع کرنے کا ان کا فرض یاد دلایا اور اس حقیقت کو بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان مسلمانوں سے راضی ہوتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کے اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں یمن کے بہت سے مسلمانوں نے اس مہم میں رضاکارانہ طور پر شرکت کی۔ ان میں سے بہت سے رضاکار مدینہ پہنچ گئے۔ ان رضاکاروں میں سے ایک یمن کے لوگوں کا ایک امیر عظیم رہنما تھا، جس کا نام ذِل کِلا تھا۔ وہ، سب سے زیادہ امیر رہنماؤں کی طرح، دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتا تھا، جیسے عمدہ لباس اور خوراک۔ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی سادہ طبیعت کو دیکھا۔ اس نے کوئی عمدہ لباس یا قیمتی جواہرات نہیں پہن رکھے تھے حالانکہ وہ پوری ملت اسلامیہ کے رہنما تھے۔ ظل قلعہ نے جو دیکھا اس سے متاثر ہو کر اپنے عمدہ لباس اور زیورات کو اتار کر سادہ لباس میں بدل دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 631-633 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ذل قلعہ کو صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اپنا طرز عمل بدلنے پر آمادہ ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ اپنی تقریر کے ذریعے دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4119 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائیں جب ان کا مشاہدہ کیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو اسلامی ظاہری شکل اختیار کرتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد بالکل نہیں دلاتے ہیں۔ اس حدیث سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی علم سیکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے

ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کریں، اس کے احکام کو پورا کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کریں۔ اس پر اس سے دل کی تطہیر ہوتی ہے جو اس کے ظاہری اعضاء کی پاکیزگی کا باعث بنتی ہے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ جب وہ ان صالح مسلمانوں کو دیکھیں گے تو اس کی وجہ سے دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے۔ اور یہ ذکر تب ہی بڑھے گا جب یہ نیک مسلمان بولتے ہیں جیسا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بولتے ہیں، یعنی وہ بری اور فضول باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صرف دنیا و آخرت کے فائدے والے امور پر بات کرتے ہیں۔ یہ یاد اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کوئی ان کے اعمال کو دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کرتے ہیں، صرف ان طریقوں پر عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں، دیتے ہیں اور روکتے ہیں۔ یہ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا باعث بنتا ہے۔

ایک سادہ لیڈر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومی سلطنت کے خلاف جنگ کا عزم کرنے کے بعد یمن کے مسلمانوں کو خطوط بھیجے جس میں انہیں اس مہم میں شامل ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ انہوں نے انہیں بیرونی خطرات سے اسلام کا دفاع کرنے کا ان کا فرض یاد دلایا اور اس حقیقت کو بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان مسلمانوں سے راضی ہوتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کے اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں یمن کے بہت سے مسلمانوں نے اس مہم میں رضاکارانہ طور پر شرکت کی۔ ان میں سے بہت سے رضاکار مدینہ پہنچ گئے۔ ان رضاکاروں میں سے ایک یمن کے لوگوں کا ایک امیر عظیم رہنما تھا، جس کا نام ذِل کِلا تھا۔ وہ، سب سے زیادہ امیر رہنماؤں کی طرح، دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتا تھا، جیسے عمدہ لباس اور خوراک۔ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی سادہ طبیعت کو دیکھا۔ اس نے کوئی عمدہ لباس یا قیمتی جواہرات نہیں پہن رکھے تھے حالانکہ وہ پوری ملت اسلامیہ کے رہنما تھے۔ ظل قلعہ نے جو دیکھا اس سے متاثر ہو کر اپنے عمدہ لباس اور زیورات کو اتار کر سادہ لباس میں بدل دیا۔ جب ان کی قوم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے انہیں شرمندہ کرنے پر ان پر تنقید کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا وہ آپ کے لیے ایک ظالم کی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہیں جیسا کہ اس نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کیا تھا؟ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف عاجزی اور مادی دنیا سے لاتعلقی سے حاصل ہوتی ہے۔ یمن کے بہت سے دوسرے امیر رہنماؤں نے اس کے طرز عمل کی پیروی کی اور ان کے مہنگے کپڑے مسلمانوں کے سرکاری خزانے میں داخل کرائے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 631-633 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ اس کی بجائے یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً ان کے کھانے، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنائیں، تاکہ یہ انہیں فارغ وقت فراہم کرے۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل

ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل احتساب کا باعث بنے گی۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق

صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سبب بن سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

" اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27:

'' اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔''

عظیم مشورہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہونے والے چار لشکروں میں سے ایک لشکر کی قیادت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وداع کرتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلے اور انہیں مندرجہ ذیل نصیحت کی، جس کا ذکر امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 634-635 میں کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے اس نے مشورہ دیا کہ وہ اس کی اہلیت کو جانچنے کے لیے اسے لیڈر مقرر کر رہا ہے۔ اگر اس نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو وہ اپنے عہدے کو برقرار رکھے گا اور اسے مزید فرائض سونپے جائیں گے۔ لیکن اگر اس نے برا کام کیا تو اسے ان کے عہدے سے ہٹا دیا جائے گا۔

اگرچہ یزید رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کے ایک بزرگ تھے، اسی قبیلے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس سے کم نہیں، ان کے ساتھ ان کی خوبیوں کی بنیاد پر سلوک کیا جاتا تھا، نہ کہ ان کی نسب اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا

جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل ڈرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ وہ کسی شخص کی ظاہری حالت کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح اس کی باطنی حالت دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے جس میں انسان کی باطنی نیت اور احساسات اور اس کے ظاہری اعمال بھی شامل ہیں۔

جو مسلمان اس بات کو سمجھے گا وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نہ صرف اعمال صالحہ انجام دیں گے بلکہ صحیح نیت کے ساتھ یہ جانتے ہوئے بھی کریں گے کہ وہ لوگوں کو بے وقوف بنا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور باطنی حالت سے پوری طرح باخبر ہے اور ان کا محاسبہ کرے گا۔ اس کے مطابق.

ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس اسم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے مفید دنیاوی اور دینی علم حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس پر خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ اس کے علاوہ انہیں اپنی باطنی اور ظاہری حالتوں کی مسلسل نگرانی کرنی چاہیے۔ اس کے ذریعے وہ اپنے عیوب سے واقف ہوں گے اور ان کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔ ایک مسلمان کو اپنی تخلیق کے مقصد سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں پوری آگاہی کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہے جو اس کا سب سے زیادہ فرمانبردار ہو اور اس کی خاطر اعمال بجا لائے۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں، اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال بجا لانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے پانچ حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی یہ دعا پوری ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہوگی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ جاہلیت کے طریقوں کی طرف واپس نہ جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان طریقوں اور ان لوگوں سے نفرت کرتا ہے جو ان طریقوں پر چلتے ہیں۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی رسومات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ جب وہ شام میں اپنے سپاہیوں کے پاس پہنچے تو ان کے ساتھ اچھا ساتھی بنیں۔

یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو وہ اپنا ایمان کھو دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کریں۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ مقام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بغض اور حسد سے پاک ہو۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد. حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت .اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ ترغیب ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی بھی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ جب وہ اپنے سپاہیوں کو نصیحت کریں تو مختصر گفتگو کریں کیونکہ تقریر کی نوعیت یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ سننے والے کو اس کے دوسرے حصوں کو بھول جاتا ہے۔

کچھ صرف ان اجتماعات ، ایک مختصر اور مفید پیغام دینا چاہیے۔ بدقسمتی سے ہر اسلامی تقریر کوئی حقیقی مقصد اور معنی کے میں شرکت کرتے ہیں جو کہانی سنانے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بغیر۔ یہ اجتماعات صرف پھولوں کی مگر بے معنی تقریروں سے عوام کو خوش کرنے کے لیے منعقد کیے جاتے ہیں۔ کچھ لیکچررز کا غلط خیال ہے کہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنے سامعین کو گھنٹوں کی معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔ لیکن وہ چند اچھے الفاظ کو جو سامعین کو بہتری کی طرف راغب کرتا ہے وہ بہت بہتر ہے۔ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اجتماع تب ہی مفید ہوتا ہے جب سامعین اپنی اصلاح کی نیت سے نکلیں۔ لیکن اس کے لیے بنیادی باتوں پر عمل کرنے سے پہلے وہ جو ایمان کی بات پھیلانا چاہتا ہے وہ ضروری ہے کہ نئے خیالات اور تصورات کی تلاش کے غلط رویہ سے منہ موڑ لے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ اپنے آپ کو سنوارو اور اس کے نتیجے میں اپنے اردگرد کے لوگ بھی بہتر ہو جائیں گے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور

پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

''اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔''

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا چاہیے اور ان کو کمال کے ساتھ پورا کرنا چاہیے اور ان میں ہوشیار رہنا چاہیے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، یہ مشورہ جنگ کے وقت دیا گیا تھا، جب دشمن کا حملہ کسی بھی وقت ہو سکتا تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے]ابھی تک [نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں...’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم ’’ نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے ‘‘چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

‘‘بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔’’

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدثثیر، آیات 42-43 74:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز " پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم

کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیاں فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابو داؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ جب وہ دوسروں سے نصیحت طلب کرے تو بات میں سچا ہو اور اس کے نتیجے میں انہیں سچی نصیحت کی جائے گی۔

عام طور پر، سچائی کو اپنانے سے انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں بھلائی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ بطور رہنما انہیں سزا دینے سے نہیں ڈرنا چاہیے جو اس کے مستحق ہیں۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنے سپاہیوں کی جاسوسی نہ کرے اور نہ ان کے راز فاش کرے۔ اسے اس کے بجائے اس پر راضی ہونا چاہئے جو اس کے سپاہیوں نے اسے ظاہری طور پر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھپائے گئے عیوب کو ظاہر کرنے کے لیے دوسروں کی جاسوسی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

‘‘...اور جاسوسی نہ کرو ’’

صحیح بخاری نمبر 7042 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دوسروں کی جاسوسی کرے گا، جیسے کہ ان کی نجی گفتگو میں آسانی ہو، اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ جزا کا دن۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے پھر بھی دوسروں کے عیب چھپاتا ہے تو جن مسلمانوں کے پاس خدا کا دیا ہوا محدود علم ہے انہیں اپنے عیبوں اور ذاتی مسائل پر پردہ ڈالنے کی نیت سے دوسروں کی جاسوسی نہیں کرنی چاہیے۔ جو شخص دوسروں کے عیبوں سے پردہ اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو اس حدیث کے دوسرے حصے پر عمل کرنا چاہیے جو کہ دوسروں کے عیب چھپانے کے لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ بے وقوف لوگوں کے ساتھ نہ جانا جو اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اس کے بجائے اسے سچے اور دیانت داروں کا ساتھ دینا چاہیے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔

تمام مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا شمار اگلے جہان میں صالحین کے ساتھ ہو۔ لیکن یہ حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ مسلمان صرف اسی صورت میں صالح سمجھا جائے گا جب وہ صالحین کی تقلید کرے گا۔ یہ تقلید ایک عملی چیز ہے نہ کہ صرف الفاظ کے ذریعے اعلان۔ یہ تقلید صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی

تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کی جاتی ہے۔

لیکن جو لوگ زبانی طور پر صالحین سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی نقل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور ان خصوصیات کی نقل کرتے ہیں جو منافقوں اور گنہگاروں میں پائی جاتی ہیں انہیں ان میں سے ایک سمجھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا ایمان کھو دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نافرمان مسلمان سمجھا جائے گا۔ ایک نافرمان مسلمان کو فرمانبردار مسلمان کیسے شمار کیا جا سکتا ہے اور نیک لوگوں پر ختم کیا جا سکتا ہے؟ یہ صرف خواہش مندانہ سوچ ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 20:

"دوزخ کے ساتھی اور اہل جنت برابر نہیں ہیں۔ جنت کے ساتھی - وہ]کامیابی [پانے والے ہیں۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت مخلص اور سچا ہونا چاہیے۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کسی مسلمان کو جب بھی ان دشمنوں کی طرف سے آزمائش میں ڈالے اللہ کی اطاعت سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا

کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

’’اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔‘‘

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ بزدل نہ ہو ورنہ ان کے سپاہی بھی بزدل ہوں گے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزدلانہ رویہ اختیار کرنے سے خبردار کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے روکتا ہے، اور جس چیز کا اس نے وعدہ کیا ہے، جیسے کہ کسی کی ضمانت شدہ رزق۔ یہ کسی کو مشتبہ اور غیر قانونی طریقوں سے رزق تلاش کرنے کا سبب بن سکتا ہے جو انسان کو دونوں جہانوں میں تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، بزدل ہونا کسی کو شیطان اور اندرونی شیطان کے خلاف جدوجہد کرنے سے روکتا ہے جس کے لیے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کا باعث بنے گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ اور اس لیے انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روکے گا۔ دنیوی اور دینی کامیابی کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک بزدل اس جدوجہد کو شروع کرنے سے بہت ڈرے گا اور اس کی بجائے سستی کرے گا جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو نصیحت کی کہ مال غنیمت میں سے ناجائز طور پر نہ لینا کیونکہ اس سے غربت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور فتح کو دور کر دیا جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ ["

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اگلی بات یہ کہی کہ جنگ کے مال غنیمت میں سے ناحق نہیں لینا چاہیے، کیونکہ یہ غربت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور فتح کو روکتا ہے۔

کامیابی یاد میں مضمر ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہونے والے چار لشکروں میں سے ایک لشکر کی قیادت شورابیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وداع کرتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چل پڑے اور انہیں وہی نصیحت کی جو انہوں نے یزید ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو دی تھی، لیکن مزید کہا کہ جنگ کے وقت بھی انہیں یاد رکھنا چاہیے۔ اللہ عزوجل، مسلسل اور ہر ممکن حالت میں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 640-641 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان فرق زندہ آدمی جیسا ہے۔ ایک مردہ شخص.

ان مسلمانوں کے لیے ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الٰہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

یہ مراحل دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی کنجی ہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اہم مشورہ

ابو بکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہونے والے چار لشکروں میں سے ایک لشکر کی قیادت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہی نصیحت کی جو انہوں نے یزید ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو دی تھی، جس کا ذکر امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، صفحہ 641 میں کیا گیا ہے۔ 642.

لیکن اس نے مزید کہا کہ اسے اچھی نصیحتوں کو غور سے سننا چاہئے، اس طرح ان احکامات پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو اسے دیئے گئے ہیں۔

اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ مبلغین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور معلومات تک رسائی آسان ہو گئی ہے لیکن مسلمانوں کی طاقت صرف کمزور ہوئی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے ایک ایسی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ صرف اسلامی علم کو سننا ہی کامیابی کے لیے کافی ہے۔ یہ شیطان کا جال ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالح پیشواؤں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے نہ صرف دینی علم کو سنا بلکہ جو علم سنا اس پر عمل کرکے اس ارادے کو پورا کیا اور پورا کیا۔ اس طرح عمل نہ کرنے سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے مذہبی اجتماعات اور مذاکروں میں شرکت کرنے میں دہائیاں گزاری ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں کوئی بہتری نہیں آئی ہے۔ اس رویہ کا خطرہ یہ ہے کہ لوگ آخرکار یہ مان کر نیچے گر جائیں گے کہ وہ مذہبی تعلیمات کو سننے یا عمل کرنے کی ضرورت کے بغیر اپنی زبان سے اسلام کا اعلان کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو جہالت کے ساتھ ان کا رہنما بنا کر چھوڑ دیا جائے گا جو انہیں صرف تباہی کی طرف لے جائے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ جب حق کی بات ہو تو سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے کیونکہ وہ اس کے لیے مددگار کے طور پر کافی ہے۔

اگرچہ لوگوں سے امید رکھنا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن چونکہ وہ نامکمل ہیں ایک مسلمان کو ہمیشہ مایوس ہونے کا خطرہ رہتا ہے، درحقیقت یہ ناگزیر ہے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک مسلمان نافرمان اللہ تعالیٰ پر انحصار نہیں کرتا۔ پھر انہیں چاہیے کہ وہ مخلوق کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو ان سے بدلے میں کسی چیز کی توقع یا امید رکھے بغیر پورا کریں۔ اس سے ان پر انحصار ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر واضح کر دیا ہے کہ جو شخص اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس پر صحیح طور پر انحصار کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں پیش آنے والی تمام پریشانیوں سے کافی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے''۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں پر قائم ہے جب کوئی اس پر بھروسا کرے گا تو وہ بھی مشکلات کا سامنا کرنے پر ثابت قدم اور ثابت قدم ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ ایسے لوگوں پر بھروسہ کرتے

ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ چست ہو جائیں گے اور ثابت قدم رہنے میں ناکام ہو جائیں گے۔

کسی کا مددگار اور پناہ گاہ جتنا مضبوط ہوگا وہ اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، خلوصِ اطاعت کے ذریعے، وہ تمام مشکلات سے نکلنے کی طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ پناہ مانگیں اور ایسے لوگوں پر انحصار کریں جو اپنی فطرت کے اعتبار سے کمزور ہیں تو وہ بھی مشکلات میں کمزور ہو جائیں گے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو طوفان کے دوران مضبوط قلعہ میں پناہ لیتا ہے اور دوسرا جو کہ تنکے کی جھونپڑی میں پناہ لیتا ہے۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں ہے کہ طوفان کی مشکل پر کامیابی سے قابو پانے کے لیے کون زیادہ امکان رکھتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، کیونکہ وہی ولی کے طور پر کافی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں

بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے . حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمانوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے

والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔
باب 3 علی عمران، آیت 85:

" اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

مسلمانوں کو متحد کرنا

ابو بکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہونے والے چار لشکروں میں سے ایک لشکر کی قیادت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اسے نصیحت کرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بات کی جو ایک مشہور جنگجو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہونے والا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ اہم نصیحتیں کیں جس کا مقصد مسلمانوں کو ان کے مقرر کردہ رہنما کے تحت متحد کرنا تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 642-643 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ انہوں نے قیس بن ہبیرہ کو یاد دلایا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ثقہ کا لقب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا تھا۔ اس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 6252 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ " "کروں گا۔

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ اس نے اسے یہ بھی یاد دلایا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہ تھے جنہوں نے دوسروں پر زیادتی نہیں کی، یہاں تک کہ جب وہ اس پر زیادتی کرتے۔ جب اس پر ظلم ہوتا تو وہ معاف کردیتا۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " "سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چوں کہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر ..." دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ کارآمد ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جو لوگوں سے تعلقات ٹھیک کرتے تھے، خواہ دوسروں نے انہیں توڑ دیا ہو۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

مسلمان اگرچہ دنیا کی تمام پریشانیاں دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنی وسعت کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مومنوں پر رحم کرنے والے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے

ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کافروں کے خلاف سخت تھے۔

اس سختی سے مراد جب کسی کو برائی کی طرف بلایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنا ہے۔ انسان کو برائی کے خلاف سخت ہونا چاہیے جو کفر سے پیدا ہوتی ہے، لوگوں کے خلاف سخت نہیں۔ مسلمانوں کو ان لوگوں سے دوستی نہیں کرنی چاہئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے دور کرتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں پر لاگو ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے دوست کے مذہب پر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک شخص ان خصوصیات کو اپنائے گا، اچھی یا بری، جو اس کے ساتھیوں کے پاس ہے۔

اس کے علاوہ مسلمان اور غیر مسلم تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایک سچے مسلمان اور سچے مومن کی خصوصیت ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے

کہ سچا مسلمان وہ ہے جو غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کی برائی باتوں اور افعال سے محفوظ رکھے۔ اور ایک سچا مومن اپنی بات یا عمل سے لوگوں یا ان کے اموال کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ لہٰذا یہ نصیحت مسلمانوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ متقیوں کا ساتھ دیں کیونکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اطاعت کی طرف لے جائیں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ صحت مند سماجی رویے اور دوسروں کے ساتھ گہری دوستی میں فرق ہے۔ گہری دوستی کسی کو اپنے ساتھی سے محبت کی وجہ سے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کی طرف لے جا سکتی ہے جبکہ دوسروں کے ساتھ اچھا سماجی برتاؤ کبھی بھی اس سطح پر نہیں لے جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق اور آداب کو اپنائیں لیکن ان لوگوں کے لیے گہری دوستی رکھیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی ترغیب دیں۔ یہ صرف ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے کرسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک غیر مسلم، براہ راست یا بالواسطہ طور پر کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دے گا، چاہے وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ایک الگ ضابطہ اخلاق کے تحت زندگی گزارتا ہے پھر ایک مسلمان۔ اور جو سلوک کسی غیر مسلم کے لیے قابل قبول ہے وہ اسلام کی نظر میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے سردار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حکم کی نافرمانی نہ کرو، یا ان کے خیالات کی مخالفت نہ کرو، کیونکہ وہ صرف نیکی کا حکم دیتے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم " "...میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص رہنے کی یاد دلائی اور یاد دلایا کہ جو لوگ اپنی طاقت اور صلاحیت کو اسلام کی ترویج کے لیے استعمال کریں گے۔ ایک زبردست انعام حاصل کریں.

: یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ واجبات کی اکثریت، جیسے کہ پنجگانہ نمازیں، صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے

کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

اطاعت پر توجہ مرکوز کرنا

شام کی مہم کے دوران، ابوبکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے سربراہ کے طور پر فلسطین کی طرف روانہ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 717-718 میں کیا کچھ نصیحتیں کیں جن کا ذکر گیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں علانیہ اور نجی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس کا حقیقی دوست وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اس کے احکام کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق عوامی اور نجی طور پر تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا۔ تنہائی میں ایسا کرنا کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی وہ صرف اس کی خاطر اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو مضبوطی سے یاد رکھتا ہے کہ ان کی ذات کے باطنی اور ظاہری پہلو کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس عقیدہ پر قائم رہے تو وہ ایمان کی فضیلت اختیار کرے گا جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں، جیسے نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جدوجہد کرنے اور آخرت کے لیے کام کرنے کی بھی تلقین کی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو بتا سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی طور پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور ان کے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ اپنی بات کی حفاظت کیسے کی جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ بھی نصیحت کی کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ محبت کرنے والے باپ جیسا سلوک کریں۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیے جیسے کہ ان کے حقوق ادا کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کرنے اور اپنے سپاہیوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کی۔

صحیح بخاری کی حدیث نمبر 574 میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں قائم کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

دو ٹھنڈی فرض نمازوں سے مراد فجر اور ظہر کی فرض نمازیں ہیں کیونکہ ان دونوں اوقات میں موسم دیگر اوقات کی نسبت ٹھنڈا ہوتا ہے یعنی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی تمام شرائط اور آداب کو صحیح طریقے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے، جیسے کہ انہیں وقت پر ادا کرنا۔ درحقیقت ان کے پیش آنے کے ساتھ ہی پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہے۔ صحیح مسلم نمبر 252 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگرچہ پانچ فرض نمازیں ہیں جن کا ابھی قائم ہونا ضروری ہے لیکن زیر بحث مرکزی حدیث میں صرف دو کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں غالباً قائم کرنا مشکل ترین ہیں۔ فجر کی فرض نماز ایسے وقت میں ہوتی ہے جب اکثر لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ لہذا، اسے صحیح طریقے سے پیش کرنے کے لیے اپنے آرام دہ بستر کو چھوڑنے کے لیے بہت زیادہ توانائی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظہر کی فرض نماز زیادہ تر ایسے وقت میں ہوتی ہے جب زیادہ تر لوگ اپنے کام کا دن مکمل کر چکے ہوتے ہیں اور تھکے ہارے گھر لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا فرض نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے تھکا دینے والے اور حتیٰ کہ دباؤ والے دن کے بعد آرام چھوڑنا مشکل ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان دونوں نمازوں کو صحیح طور پر قائم کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوسری فرض نمازوں کو ادا کرنے میں آسانی پیدا کر دے گا جو عام طور پر زیادہ آسان اوقات میں ہوتی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو اپنی تمام فرض نمازوں کو قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی اصل ہے اور یہ حقیقت میں عقیدہ کو کفر سے الگ کرتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو قرآن پاک کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم سے متصادم ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی نصیحت کی کہ وہ اپنے سپاہیوں کو زمانہ جاہلیت کے بارے میں بات کرنے سے منع کریں کیونکہ یہ صرف قبائلیت کی محبت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ بھی نصیحت کی کہ مادی دنیا کے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کریں اور مرتے دم تک آخرت پر توجہ مرکوز رکھیں۔

اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور سمجھ حاصل کرنا ضروری ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس مادی دنیا سے اپنی

ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ایک عظیم رہنما بننے کے لیے درج ذیل آیت میں موجود خصوصیات پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ باب 21 الانبیاء، آیت 73:

"اور ہم نے انہیں اپنے حکم سے رہنما بنایا۔ اور ہم نے ان کی طرف نیک اعمال کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی۔ اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔"

باقی رہا عاجز

عراق میں کامیابی کے بعد ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ شام کی طرف بڑھیں، یعنی رومی سلطنت کی طرف۔ اس نے اسے اور دوسروں کو یہ بھی یاد دلایا کہ وہ اپنی حاصل کردہ فتوحات پر فخر نہ کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے عطا نہیں کی تھیں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 602-603 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان کا نہیں مسلمانوں کو اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو یہ احساس ہونا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا کی رحمت اللہ منحصر ہے۔ ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ ’’
’’اور]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اللہ پر بھروسہ پیدا کرنا

رومی سلطنت کے ساتھ مشغولیت کے لیے شام جانے کا حکم ملنے کے بعد، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے رومیوں کو خبردار کرنے سے بچنے کے لیے، عراق سے شام کا ایک انتہائی خطرناک راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ .لمبے اور کٹھن سفر کی تیاری کے لیے عملی اقدامات کرنے کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد ایک مسلمان کے ساتھ ہے انہیں کسی بھی مشکل سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 605-606 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے دونوں پہلو پورے کئے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ اسباب کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اس کو راضی کریں۔ اور دوسرا یہ کہ یقین کے ساتھ اس بات کا یقین ہو کہ صورت حال کا نتیجہ، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہوتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو گا۔

مسلمان اکثر سوال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا بھروسہ کیسے مضبوط اور مضبوط کر سکتے ہیں، خاص طور پر مشکلات کے وقت۔ اس کا ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو مانتا رہے گا، ان کی مدد نہیں کرے گا جس کے نتیجے میں اس پر ان کا اعتماد کمزور ہو جاتا ہے۔ جبکہ فرمانبردار مسلمان اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے اپنے فرائض ادا کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت کے وقت ان کا ضرور جواب دے گا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ پر ان کا بھروسہ مضبوط ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے بارے میں اس کے تصور کے مطابق جواب دیتا ہے۔ نافرمان انسان اپنی نافرمانی کی وجہ سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے۔ جبکہ ایک

فرمانبردار مسلمان اپنی اطاعت کی وجہ سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثبت خیالات رکھتا ہے۔ یہ سوچ اللہ تعالیٰ پر ایک مسلمان کے اعتماد کو کمزور یا مضبوط کر سکتی ہے۔ فرمانبردار مسلمان اس بات پر بھروسہ کرتے ہیں کہ اگر وہ تجارتی معاہدے کے اپنے پہلو کو پورا کرتے ہیں تو ان کا کاروباری شراکت دار بھی ایسا ہی کرے گا۔ اسی طرح ایک فرمانبردار مسلمان اس بات پر بھروسہ کرتا ہے کہ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے فرائض ادا کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی بھر بالخصوص مشکلات میں مدد کرتے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کرے گا۔ جبکہ، جو شخص کسی کاروباری معاہدے کے اپنے پہلو کو پورا نہیں کرتا ہے وہ اعتماد نہیں کرے گا یا امید نہیں کرے گا کہ اس کا کاروباری پارٹنر ان کی طرف کو پورا کرے گا۔ اسی طرح ایک نافرمان شخص اس بات پر بھروسہ نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا کیونکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے ہیں۔

نتیجہ اخذ کرنا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا اور اس کی تعمیر کا براہ راست تعلق اس کی اطاعت سے ہے۔ جتنا زیادہ فرمانبردار ہوگا وہ اس پر اتنا ہی زیادہ بھروسہ کرے گا۔ وہ جتنا کم فرمانبردار ہوں گے اتنا ہی اس پر بھروسہ کریں گے۔

اللہ کے لیے متحد

شام میں، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج قنات بصرہ پہنچی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا جو ایک مختلف لشکر میں شامل تھے اور وہ بھی شہر پر حملہ آور تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی سے خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت کو قبول کیا اور شہر کو فتح کرنے کے لیے مل کر کام کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 609 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتحاد کے اہم اسلامی اصول کو اپنایا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھا اور تمام دنیوی مقاصد کو ترک کر دیا اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے۔ انہوں نے اتحاد پیدا کرنے کے لیے درکار عملی اقدامات کیے، جو قدم تمام مسلمانوں کو اٹھانے چاہئیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر

میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو 4681 چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور مسلمانوں کو جواب دینا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

مشکلات کا سامنا کرنا

شام کی طرف مہم کے دوران، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو ایک جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ وہ بہت زیادہ تعداد میں تھے اور ہر طرف سے تقریباً گھیرے ہوئے تھے۔ وہ پسپائی پر مجبور ہوئے اور شام کی سرحد کی طرف چلے گئے۔ لڑائی کے دوران بہت سے مسلمان مارے گئے جن میں خالد رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 619-620 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنی مشکل نہیں ہیں جتنی کہ صالح پیشرووں کو درپیش تھیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشرووں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب

تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی پر عمل کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صحبت

شام کی مہم کے دوران، مسلمانوں کی فوجوں کے قائدین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کمک کی درخواست کی، کیونکہ رومی فوجیں بڑی تعداد میں اور جنگ میں مضبوط تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس خط لکھ کر مطلع کیا کہ وہ انہیں کمک بھیجیں گے لیکن انہیں یاد دلایا کہ مسلمان سپاہی دوسروں سے برتر ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لڑتے ہیں، اس لیے اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے لڑتے ہیں۔ بے شمار تھے، ایک اٹوٹ سہارا ان کے ساتھ تھا یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 649-651 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ، مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے تمام ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اس اعلان کو کسی بھی طرح محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان

لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی ہے یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ پس مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ یہ نہ صرف اسے زبان سے یاد کرنا ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اسے اپنے عمل سے یاد کیا جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا ہی زیادہ اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

ثواب حاصل کرنا

شام کی مہم کے دوران، مسلم فوجوں کو کمک کی ضرورت تھی کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ نتیجتاً ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رضاکاروں کو ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کہا اور ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑی فوج تشکیل دی گئی۔ اپنے چچا سے رخصت ہوتے وقت بزرگ صحابی سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ آگے بڑھو اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لڑو نہ کہ کسی دنیاوی مقصد کے لیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سچا قدم اور نیک عمل ہی اٹھائے گا۔ ہاشم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور تبصرہ کیا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کی خاطر عمل کیا تو وہ بلاشبہ خسارے میں ہوں گے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 653-655 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ سکتے ہیں۔

برکتیں رکھنا

شام کی مہم کے دوران، مسلم فوجوں کو کمک کی ضرورت تھی کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کے نتیجے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رضاکاروں کو ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کہا اور سعید بن عامر بن ہذیم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑی فوج تشکیل دی گئی۔ بلال جو کہ نماز کے لیے اصل پکارنے والے تھے، نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بے پناہ محبت کی وجہ سے اسے جانے دینے سے گریزاں تھا، لیکن اس سے کم نہیں، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رخصت ہونے سے پہلے بلال رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ ہمیشہ اچھے کام کریں کیونکہ وہ اس دنیا میں ان کا رزق ہوں گے اور ان کی موت کے بعد اچھے اجر کا باعث بنیں گے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 655-656 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نیک اعمال میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والے کو نہ صرف دنیا میں سکون اور کامیابی ملے گی بلکہ وہ ان دنیوی نعمتوں کو لازوال اجر کی صورت میں اپنے ساتھ آخرت تک لے جائے گا۔ لیکن جو لوگ ان کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں انہیں دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور یہ دنیوی نعمتیں ان کی قبر پر پہنچ کر انہیں چھوڑ دیں گی۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ برکتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ ان کو ایسے طریقوں سے استعمال کرکے آخرت کے لیے بھیجیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر

کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر .اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

نرم مزاج ہونا

بہت سے مسلمان شام کی مہم میں شامل ہونے کے لیے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے مسلمانوں کو اسلامی آداب و آداب کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا اور اس کے نتیجے میں وہ اکثر غیر ارادی طور پر مدینہ کے باشندوں کو ناراض کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ باشندوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، جنہوں نے کھلے عام ان کو تاکید کی کہ وہ غیر ملکی مسلمانوں کے لیے صبر اور نرمی سے پیش آئیں، کیونکہ ان کا مقصد اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔ مدینہ کے باشندوں نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اپنے غیر ملکی مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 656-657 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

یرموک کی جنگ

اسلام میں متحد

شام کی مہم کے دوران مسلمانوں کی فوجوں کے قائدین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے یرموک کی سرزمین کی طرف پسپائی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ رومی سلطنت کی سرحد کے قریب تھی۔ ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تمام لشکروں کا سربراہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے قائدین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے ایک خط لکھا لیکن ان کی اعلیٰ خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے بھی وہ اپنے راستے سے ہٹ گئے تاکہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کی تقرری پر خود کو الگ تھلگ محسوس نہ کریں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان کوئی منفی جذبات پیدا ہوں۔ لیکن چونکہ یہ قائدین اللہ تعالیٰ سے راضی صحابی تھے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب تھے، انہوں نے اس کی قیادت کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 661-664 میں بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے متحد تھے نہ کہ دنیاوی وجوہات کے لیے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور

دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان آپس میں خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اس جیسی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

ایمان پر عمل کرنا

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کی فوجوں میں سے ایک کی مدد کی جو یرموک کی سرزمین کی طرف پسپائی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی، بالآخر تمام مسلمان یرموک پہنچ گئے جہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ رومی فوج جو مسلمانوں کی فوج سے تقریباً چھ گنا بڑی تھی، نے بھی یرموک میں پڑاؤ ڈالا۔ فوجیوں کی ایک یونٹ کے انچارج ہر مسلمان نائب نے مسلمانوں کو دشمن کے خلاف ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے خطبہ دیا۔ ان سب نے اعمال کے ذریعے اپنے ایمان پر عمل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا، اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 669-671 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ میں امید کے درمیان فرق کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ خواہش مند سوچ انسان کو عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کا جوہر، اس کی مخلصانہ اطاعت ہے۔

حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے اور تمام گناہوں کو مٹا سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت سے امید ترک کرنے کو باب 12 یوسف آیت 87 میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے:

بے شک اللہ کی راحت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا‘‘۔ ’’

اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یعنی کسی مسلمان کے اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونے کی ضمانت نہیں دی گئی ہے، ایک مسلمان کو غیر مسلم کی حیثیت سے موت کا خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص آخرت میں کہاں رہے

گا۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مسلمان گناہوں پر قائم رہے، خاص طور پر کبیرہ گناہوں، جیسے شراب پینا اور اپنی فرض نمازوں کو ادا نہ کرنا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کیے بغیر اپنے انجام کو پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے تمام واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ایک ایسا کام ہے جسے وہ بلا شبہ پورا کر سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

انہیں یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے، اعمال کے ذریعے مدد ملتی ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ ایسا نہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا، اس کی رحمت سے امید نہیں، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے جس کا کوئی وزن یا اہمیت نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

اخلاص کے ساتھ آرہا ہے۔

جنگ یرموک شروع ہونے سے پہلے، رومی کمانڈروں میں سے ایک جرجہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کھلے میدان میں بات چیت کے لیے ملاقات کی درخواست کی۔ اس نے خالد رضی اللہ عنہ سے اسلام کی کچھ تعلیمات کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے میں انہیں یقین نہیں تھا۔ کچھ بنیادی باتیں سننے کے بعد، جیسے مساوات کی اہمیت، اس نے خالد رضی اللہ عنہ امام محمد کے ساتھ مسلمانوں کے کیمپ میں واپس آنے کا فیصلہ کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 675-677 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جراح نے ایسے پیچیدہ یا گہرے روحانی مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جس سے وہ حیران ہوا اور نہ ہی اسے اسلام کی حقانیت پر قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھایا گیا، پھر بھی اس نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اپنے عقیدے، طرز عمل اور طرز زندگی کو بالکل بدل دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ سچائی کی تلاش میں آیا تھا۔ جب کوئی یہ اعلان کر کے اخلاص اختیار کرے گا کہ وہ سچائی کو قبول کریں گے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کریں گے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو، تو پھر سادہ ترین سچائی، دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہونے والی سچائیاں بھی ان کو بالکل بدل دیتی ہیں۔ جب کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس قہقہے لگا کر آتا ہے اور صرف ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے جو ان کو خوش کرتی ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں جو ان کی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں وہ کبھی بھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے لوگوں نے گہرے روحانی تجربات سے نہیں بلکہ آسان ترین چیزوں کا سامنا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اسی اخلاص کو مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر اسلام کی صحیح پیروی ممکن نہیں ہے۔

دوسروں کے لیے احساس

جنگ یرموک کے دوران مسلمانوں کی فوج کے سرداروں میں سے ایک عکرمہ ابن ابو جہل رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت سے سپاہی شدید زخمی ہوئے۔ میدان جنگ میں لیٹتے ہوئے انہیں پینے کا پانی پیش کیا گیا لیکن وہ خود پینے کے بجائے پانی لے جانے والے کو حکم دیتے کہ وہ پہلے دوسروں کو پلائیں۔ نتیجتاً ان میں سے بہت سے پانی چکھے بغیر مر گئے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 678-679 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ ایک دوسرے کے لیے اخلاص کی گہری سطح تھی۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

ایک ایماندارانہ جواب

کچھ شدید لڑائی کے بعد یرموک کی جنگ مسلمانوں کی واضح فتح کے ساتھ ختم ہوئی۔ رومی بادشاہ ہرقل نے جب یہ خبر سنی تو وہ غصے میں تھا اور غمگین بھی۔ اس نے اپنے لیڈروں سے پوچھ گچھ کی کہ یہ شکست کیسے ممکن ہوئی جب ان کی فوج مسلمانوں کی فوج سے چھ گنا زیادہ تھی۔ صرف ایک بزرگ رہنما میں ایمانداری سے جواب دینے کی ہمت تھی، جس کا ذکر امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 685-686 میں کیا گیا ہے۔

بزرگ رہنما نے جواب دیا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو

لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔
باب 17 الاسراء، آیت 79:

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو]یعنی قرآن کی تلاوت [اپنے لیے اضافی "
"]عبادت [کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ انہیں شکست ہوئی کیونکہ مسلمان دن میں روزہ رکھتے تھے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں.

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

"...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے"

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی عذر کے ایک فرض روزہ بھی پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو بتانے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ انہیں شکست اس لیے ہوئی کہ مسلمان اپنے وعدے پورے کرتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 پر میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے سے باز نہ آئیں۔ ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں ماننا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ یہاں تک کہ اگر وسیع تر معاشرہ غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے سے ان پر زیادہ اثر پڑے گا بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کر دیا جائے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ انہیں شکست ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے انصاف کو برقرار رکھا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے

صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومی شراب پیتے تھے، حالانکہ یہ جانتے ہوئے کہ یہ گناہ ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینی چاہیے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

تمام برائیوں یہ ۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے دوسرے گناہوں کو جنم دیتا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی جیسا کہ یہ کی کنجی ہے۔ زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں جو سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح :باب 5 المائدة، آیت 90 پر منفی اثر ڈالتی ہے۔

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام ’’ ‘‘سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

پھیلانا جنت کے حدیث کے مطابق سلامتی کے اسلامی سلام کو سنن ابن ماجہ نمبر 68 میں موجود اس کے باوجود، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں موجود ایک ۔ حصول کی کلید ہے حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف زاویوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اس میں شراب خود بھی شامل ہے، اس کو پیدا کرنے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا اس وقت تک

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومیوں نے ناجائز تعلقات میں حصہ لیا۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

اور غیر قانونی جنسی تعلقات کا ارتکاب نہ کریں۔ اور جو بھی ایسا کرے گا اسے سزا ملے ..." گی۔"

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کے ناجائز تعلقات سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں زنا کو شرک کے بعد رکھا گیا ہے اور ایک بے گناہ کو قتل کرنا اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

" مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے..."

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طریقے سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومیوں نے اپنے وعدوں کو توڑا اور دوسروں پر کھلم کھلا ظلم کیا۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ مثلاً روزہ اور نماز جمع کرتا ہے لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومیوں نے برائی کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے منع کیا۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس

شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اگر دوسرے ان کی برائی کی نصیحت پر عمل کریں تو اس کے گناہ بڑھ جائیں گے، حالانکہ وہ زیادہ نہیں ہیں۔ زندہ

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومیوں نے زمین پر فساد پھیلایا۔

بدعنوانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنے پاس موجود نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، خاص طور پر اپنے سماجی اثر و رسوخ کو، دنیاوی چیزوں جیسے طاقت اور دولت حاصل کرنے کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک مسلمان کے فرائض کو متاثر کرتا ہے، اور لوگوں کے خلاف بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ظلم۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عوام ایک دوسرے کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی

حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے مسلمانوں کو اپنے طرز عمل پر صحیح معنوں میں غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11:

’’بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں‘‘۔

بزرگ رہنما نے مزید کہا کہ وہ اس لیے شکست کھا گئے کہ مسلمان رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے وعدے پورے کئے۔ انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ اور انصاف کو برقرار رکھا۔ جبکہ رومی شراب پیتے تھے۔ غیر قانونی تعلقات میں حصہ لیا؛ اپنے وعدوں کو توڑ دیا دوسروں پر ظلم کیا؛ برائی کا حکم دیا اور جس چیز سے اللہ راضی ہو اس سے منع کیا۔ اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ جواب سن کر رومی بادشاہ ہرقل نے تصدیق کی کہ اس نے سچ کہا ہے۔

سمجھنے کے لیے ایک حتمی نکتہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خصوصیت جنگ سے منسلک نہیں ہے پھر بھی انہیں مسلمانوں کی فتح اور رومیوں کی شکست کے اسباب کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کی روزمرہ کی سرگرمیاں اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی کامیابی اور امن کو متاثر کرتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان صرف نماز کے دوران مسلمان نہیں ہو سکتا جس کو پورا کرنے میں دن کے ایک گھنٹے سے کم وقت لگتا ہے۔ انہیں ہر دم کے ساتھ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اپنی زندگی کے تمام

پہلوؤں میں کامیابی اور سکون حاصل نہیں کر پائیں گے۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹتا ہے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے، ظاہر ہے، لیکن آج کے مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔

سچائی کی سختی سے پیروی کرنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے قائدین اور سپاہیوں کے ساتھ انتہائی سخت تھے اس طرح وہ اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ وہ اسلام کی حدود سے تجاوز نہ کریں، خواہ ان کے اعمال جائز معلوم ہوں۔ انہوں نے یہ سب کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دے کر حاصل کیا۔ مثال کے طور پر، ایک مرتبہ ایک قاصد اپنے ساتھ اس کے ایک رہنما کا بھیجا ہوا رومیوں کے سرداروں میں سے ایک کا کٹا ہوا سر لے کر آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حرکت پر غصہ آیا اور جب آپ کو بتایا گیا کہ رومی جنگ کے دوران مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں تو آپ نے ان سے یہ کہہ کر سرزنش کی کہ کیا آپ رومیوں اور فارسیوں کے رسم و رواج کی پیروی کریں؟ اس طرح اسلام کی تعلیمات کو ترک کرنا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 692 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ جتنا زیادہ مسلمان ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دن اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنی زیادہ ثقافتی روایات کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

اللہ کی قدرت (SWT)

مسلمانوں نے نامساعد حالات میں اس قدر سخت جدوجہد کی اور کامیابی حاصل کرنے کی ایک بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ طاقت اور اس کی مرضی کا علم ہونا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی موت ایک خاص اور ناقابل تبدیلی وقت کے لیے مقرر کی گئی ہے، اس لیے لڑنے یا بھاگنے سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جو کچھ بھی ان کا مقدر تھا وہ واقع ہو گا خواہ وہ اپنے گھروں میں چھپے رہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے اور اس کی اطاعت سے باز آنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9 توبہ آیت 51:

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے‘‘۔

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ
ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا
ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز
"پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا
ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور
صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔
یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ
سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق
انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی
طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا
موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ
سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام
پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص
صرف نقصان سے تحفظ یا کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے .صرف
اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔
اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا
ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا
مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2:

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز " کو وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔‘‘

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔ باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

ادراک

مسلمانوں نے نامساعد حالات میں اس قدر سخت جدوجہد کی اور کامیاب ہونے کی ایک بڑی وجہ ان کا یقین کا یقین تھا۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے وہ اس مادی دنیا کے مقابلے میں آخرت کی برتری کا ادراک کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے پیچھے نہیں ہٹے، چاہے اس کا مطلب موت ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس دنیا کے لمحے کو آخرت کی ہمیشگی کے لیے اور دنیا کا قطرہ آخرت کے سمندر کی خاطر قربان کردینا ہی عقلمندی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشروؤں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

کیسے کامیابی حاصل کی جائے۔

مسلمانوں کی تاریخ کی دو بڑی سپر طاقتوں :رومیوں اور فارسیوں کو معزول کرنے کی ایک بڑی وجہ ان سپر طاقتوں کے رویے سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کے لیڈروں اور عام عوام کی اکثریت ناانصافیوں اور گناہوں میں ڈوب چکی تھی اور رومی عیسائیوں نے اپنے آسمانی صحیفے کی تعلیمات کو ترک کر دیا تھا۔ جب کوئی معاشرہ انحطاط کی اس سطح پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے تباہ ہونے میں کچھ ہی دیر کی بات ہوتی ہے۔ تاریخ نے سچائی کے خواہشمندوں کے لیے اس حقیقت کو واضح طور پر پینٹ کیا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے وہ دنیا اور آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ کسی مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔"

لہٰذا صورت حال اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کرنا چاہیے کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

دلوں کا رخ موڑنا

یہ بات اہم ہے کہ اگرچہ اسلامی سلطنت کے کچھ حصے لڑائیوں کے ذریعے بڑھے لیکن تاریخ میں دوسری تمام سلطنتوں کے برعکس اس کا مقصد کبھی بھی زمین یا طاقت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سننے کا موقع فراہم کرنا تھا، جسے بیرونی طاقتیں روک رہی تھیں، تاکہ وہ اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کریں یا رد کر دیں۔ چونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جسے دل سے قبول کرنا ضروری ہے، اس لیے تلوار کے ذریعے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں۔ باب 2 البقرہ آیت 256:

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے’’

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے قائدین اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ نوزائیدہ سرزمینوں کے شہریوں کے حقوق کا احترام کریں اور ان کو پورا کریں جنہوں نے اسلام سے انکار کا انتخاب کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں کو وہی حقوق دیے جو تمام مسلمانوں کے واجب الادا ہیں، اگرچہ انہوں نے حال ہی میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو۔ اسلام کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر انصاف پسند اور پرامن معاشرے تشکیل پائے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں نے اسلام کے وسیع فوائد اور سچائیوں کو دیکھ کر قبول کیا۔ لوگوں نے اسلام قبول کیا یا نہ کیا، مسلمانوں نے انصاف کے ساتھ کام کرتے ہوئے شہریوں کی وفاداری حاصل کی۔

تقریر کے خطرات

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ اپنی زبان کھینچ رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رکنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس کی زبان اسے خطرناک جگہوں پر لے آئی ہے۔ امام مالک کی کتاب موطا، کتاب 56، حدیث نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہٰذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

پڑوسیوں کی عزت کرنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، جب کہ وہ اپنے پڑوسی سے جھگڑ رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اپنے پڑوسی سے جھگڑا نہ کرو، کیونکہ دوسرے لوگوں کے جانے کے بعد وہ اس کے ساتھ رہیں گے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 95 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی ہر مسلمان کا وارث بن جائے گا۔

بدقسمتی سے اس کے فرض حسن سلوک کے ساتھ پڑوسیوں کے حالانکہ جاتی ہے برتی غفلت اکثر سے سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی ہر سمت شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ ایک مسلمان کے گھر کی طرف۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث المفرد نمبر 109 میں اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار اللہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 174 میں تعالیٰ پر ایمان اور یوم آخرت کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے ۔ صرف یہی حدیث پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی سنگینی کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ امام کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے

جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہ حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے مسلمان کو اپنے پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی وہ ہے جو اس کے نقصان کا پڑوسی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ کو ہمیشہ اپنے پڑوسیوں کے عیب چھپانے چاہئیں مسلمان تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں کھلم کھلا رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 4880

تمام مشکلات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ مسلمان کو ہر چیز کا ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ پتھر کی تکلیف، ان کے جوتے کا ٹوٹنا یا کوئی ایسی چیز جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ گم ہو گیا ہے اور پھر انہیں اپنے لباس میں مل گیا۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 99 میں بحث ہوئی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 492 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی قسم کی جسمانی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ چبھنا۔ کوئی کانٹا، یا کوئی جذباتی مشکل، جیسے تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہوں کو ان مشکلات سے مٹا دیا جائے پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائے۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[-..."

چیزوں کو درست طریقے سے استعمال کرنا

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھر تھا، جو سرکاری خزانے کے طور پر کام کرتا تھا، جو شروع میں مدینہ کے مضافات میں واقع تھا۔ بعد ازاں اسے اپنے گھر کے اندر مدینہ کے مرکزی حصے میں منتقل کر دیا گیا۔ اس نے کبھی اس پر پہرے دار مقرر نہیں کیا بلکہ اسے تالے سے محفوظ کر لیا۔ ان کے پاس جب بھی کوئی دولت آتی تھی وہ اسے سرکاری خزانے میں جمع کر دیتے تھے لیکن اسے جلدی جلدی ضرورت مندوں میں برابر تقسیم کرنے کی عادت تھی۔ ان کی وفات کے بعد، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، دو معتمرین کے ساتھ عوامی خزانے میں داخل ہوئے جو ابوبکر نے اس پر مقرر کیے تھے :عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ اس میں داخل ہونے کے بعد انہیں اندر سے کچھ نہ ملا، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مال جمع کرنا ناپسند تھا۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 67 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی حقیقت کو سمجھا جسے آج بہت سے لوگ نظر انداز کر رہے ہیں، یعنی دولت صرف اس وقت مفید ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ ذخیرہ اندوزی یا اس کا غلط استعمال اس فائدے کو روکتا ہے۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان چاہتا ہے کہ اس کے تمام دنیاوی اموال اس کے لیے دونوں جہانوں میں نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری

باقی توجہ مرکوز

جب خالد بن ولید شام کی طرف روانہ ہوئے تو المتنہ ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عراق کی مہم کا انچارج مقرر کیا گیا۔ وہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ سلطنت فارس کے دارالحکومت تک پہنچ گیا۔ اس نے کچھ سابق مرتدین کو شامل کرنا چاہا، جو اب توبہ کر کے اسلام کے دائرے میں واپس آگئے تھے، تاکہ عراق کی مہم ختم کر سکیں۔ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی لیکن کچھ دیر تک جواب نہ ملا اور پھر ذاتی طور پر ان سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے۔ اگرچہ وہ موت کا سامنا کر رہے تھے لیکن اس نے انہیں لوگوں کی خدمت پر توجہ مرکوز کرنے سے نہیں روکا۔ اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ المتنہ رضی اللہ عنہ کی درخواست کو پورا کریں، اور ان دونوں کو تاکید کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر قائم رہیں، خواہ ان پر کوئی بھی مصیبت آئے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 614-615 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بستر مرگ پر بھی اسلام اور لوگوں کی خدمت میں لگا رہنا ان کی ثابت قدمی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس

سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو‘‘

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اگلے خلیفہ کی نامزدگی - عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

مشورہ طلب کرنا

اپنی آخری بیماری کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اگلا خلیفہ نامزد کرنے کے سلسلے میں بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 724-725۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ علم رکھنے والوں سے مشورہ کریں۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہوگا اسی طرح ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اس کے بارے میں اور ان سے جڑی اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں . اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

عظیم تر بھلائی کے لیے

اپنی آخری بیماری کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اگلا خلیفہ نامزد کرنے کے سلسلے میں بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے جن سے مشورہ کیا گیا اس نے تصدیق کی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے موزوں آدمی تھے، کیونکہ وہ بلاشبہ ان میں سب سے بہتر تھے، ابوبکر کے بعد دوسرے نمبر پر۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 724-725۔

پہلی بات یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اگلے خلیفہ کے بارے میں دنیاوی وجوہات جیسے خاندانی تعلقات، دوستی وغیرہ کی بنیاد پر غور نہیں کر رہے تھے، انہوں نے اپنے بیٹے کی طرح کسی رشتہ دار کو اس کی خواہش کے لیے مقرر نہیں کیا۔ اس کے نام کو جاری رکھنے کے لیے۔ آج کے لیڈروں کے برعکس، ان کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا اور اس بات پر مبنی تھا کہ کام کے لیے کون بہتر ہے۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی وہ گروہ اتنا ہی مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی تردید کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے 5:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر اچھے کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشرووں نے عمل کیا

لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کون عمل کر رہا ہے بجائے اس کے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ صحیح کام یہ تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ نامزد کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

قیادت سے خوفزدہ

جب ابوبکر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اگلے خلیفہ کے طور پر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو مؤخر الذکر نے اس خوف سے صاف انکار کر دیا کہ قیادت اپنے ساتھ لے کر آنے والی آزمائشوں کے خوف سے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا یہاں تک کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو مجبور کر دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 728 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ اس دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح دو بھوکے بھیڑیوں سے شاید ہی کوئی بھیڑ بچ سکے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی

تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

اچھی چیزوں میں اطاعت کرنا

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لوگوں سے کھلے عام خطاب کیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام کا اگلا خلیفہ مقرر کرنے کے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ ان سب نے اعلان کیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 728 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک روایت کے مطابق، عمر بن خطاب کا نام لینے سے پہلے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس شخص سے راضی ہوں گے جسے آپ نے منتخب کیا ہے؟ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 71 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے ۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ

کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

تقدیر کو قبول کرنا

اور دریافت کیا کہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے لوگ ان کی آخری بیماری کے دوران آپ نے ڈاکٹر کو بلایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ڈاکٹر نے اسے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور کہا تھا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 53 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اور انتخاب پر قناعت اختیار کی، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے تمام احکام ان لوگوں کے لیے بہترین ہیں، چاہے ان کے پیچھے حکمتیں پوشیدہ ہوں۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک سادہ سی بات کو سمجھیں جو ان کو تقدیر اور اس سے پیش آنے والی مشکلات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ایک شخص خوشی خوشی ایک کڑوی دوا لیتا ہے جسے اس کا ڈاکٹر اس کے علم، تجربے اور انتخاب پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے تجویز کرتا ہے جب تک کہ اس کا ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ یہ سچ ہے اگرچہ وہ صرف انسان ہیں اور غلطیوں کا شکار ہیں۔ پھر بھی، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ پر اسی سطح پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، حالانکہ اس کا علم لامحدود ہے اور اس کا انتخاب ہمیشہ دانشمندانہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تقدیر اور اس سے آنے والی پریشانیوں کو قبول کرنے کی کوشش کریں جس طرح وہ کڑوی دوا کھاتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کو جن پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے لئے بہترین ہیں چاہے وہ ان میں موجود حکمتوں کو نہ سمجھیں یا ان کا مشاہدہ نہ کریں جس طرح وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے موجود سائنس کو خوشی سے نہیں سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر معاملات میں وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے سائنس کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے ایک وقت ضرور آئے گا، چاہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں، جب ان کو درپیش تلخ مشکلات کے پیچھے کی حکمت ان پر آشکار ہوگی۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اس وقت صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے کہ جلد ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس پر گہرائی سے غور کرنے سے مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

انصاف سے بالاتر

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر نے اپنی بیٹی، عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنی خلافت کے دوران سرکاری خزانے سے دیے گئے چند سامان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں۔ وہ ایک اونٹنی تھی جس کا دودھ وہ اور اس کا خاندان پیتے تھے، ایک پیالہ جس اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں وہ کھانا تیار کرتے تھے اور کچھ کپڑے پہنتے تھے۔ صفحہ 66 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ چیزیں ان کے لیے مختص کی گئیں کیونکہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی میں مصروف تھے۔ بجائے اس کے کہ اس نے اپنے خاندان کو ان سے وراثت میں حصہ لیا ہو، اس نے انہیں اگلے خلیفہ کو واپس کر دیا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

” اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

بہترین طرز عمل

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر نے اپنی بیٹی، عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ قرآن پاک کے مطابق اس کے وارثوں میں اپنی معمولی دولت تقسیم کریں اور اس کے پیدا ہونے والے بچے کو بھی شامل کریں، کیونکہ اس وقت ان کی بیوی حاملہ تھی۔ اسے شبہ تھا کہ پیدا ہونے والا بچہ ایک لڑکی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 71-72 میں بحث ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کے معاملے میں کس قدر فکر مند تھے۔ اسلام کی ایک شاخ جسے اکثر مسلمان نظر انداز کرتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی ان تمام امور میں مدد کرے جو اچھے ہیں اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں

سے تنبیہ کرنا چاہیے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب المائدۃ، آیت 2 5:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

موت کی تیاری

اپنی آخری بیماری کے دوران، عائشہ نے اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک نظم سنائی۔ لیکن
:اس نے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کی طرف دلائی :باب 50 قاف، آیت 19

"کا نشہ سچائی کو لے آئے گا۔ جس سے آپ بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ موت

امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 732-733 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں اور دوسروں کو بھی موت کی تیاری کی اہمیت یاد دلا رہے تھے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت معلوم نہیں اس لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اس کی تیاری کو ترجیح دیتا ہے ان چیزوں کی تیاری پر جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے اور آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

آگے بھیجنا اچھا ہے۔

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، اپنے گھر والوں کو مشورہ دیا کہ وہ جو کپڑے پہنے ہوئے تھے اسے دھو لیں اور انہیں کفن کے طور پر نیا کپڑا خریدنے کے بجائے ان میں کفن دیں۔ جب اس سے اپنے لیے نیا کفن خریدنے کی اجازت طلب کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ زندہ لوگ نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے خلیفہ تھے، پھر بھی انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سادہ زندگی، غربت کی زندگی گزارنے کا انتخاب کیا۔ وہ اپنی ضرورتوں کی فکر کرنے کے لیے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش میں بہت مصروف تھا۔ اپنے آرام کی قربانی دے کر اس نے اپنے لوگوں کی زندگیوں کو آرام دہ بنانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کے طور پر اس نے اپنے دو سالوں کے دوران خزانے سے جو معمولی تنخواہ لی وہ بھی سرکاری خزانے میں واپس کر دی گئی اور اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ اس نے مسلمانوں کی خدمت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا امام محمد کے لیے کی۔ اس نے اس دنیا سے کچھ نہیں لیا اور دنیا نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 734-735 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری سفر آخرت کی تیاری اور دنیا کی آسائشوں کو جمع کرنے، ذخیرہ اندوزی کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے پر زیادہ توجہ دی۔ آج کے قائدین اور عام مسلمان اس مبارک رویے سے کوسوں دور ہیں!

صحیح بخاری نمبر 6514 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دو چیزیں میت کو اس کی قبر پر چھوڑ دیتی ہیں اور اس کے پاس صرف ایک چیز باقی رہتی ہے۔ ان کو چھوڑنے والی دو چیزیں ان کا اہل و عیال اور مال ہیں اور ان کے پاس صرف ان کے اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔

پوری تاریخ میں لوگوں نے ہمیشہ اپنی زیادہ تر کوششیں دولت اور خوش حال خاندان کے حصول پر مرکوز کی ہیں۔ اگر چہ اسلام ان چیزوں سے منع نہیں کرتا جیسا کہ کسی کی ذمہ داریوں کو

پورا کرنے کے لیے ان کی ضرورت پڑسکتی ہے، مثال کے طور پر، مال کسی کے محتاجوں کی کفالت کے لیے ضروری ہے۔ اسلام صرف مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ وہ ان کے لیے ان کی ضروریات سے بڑھ کر کوشش کریں اور انہیں زیادہ اہم فرائض پر ترجیح دیں، جیسے کہ اعمال صالحہ۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے ضروری دولت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسا خاندان حاصل کرنا چاہیے جو انہیں آخرت کی تیاری کے لیے ترغیب دے۔ جب اس طرح سے استعمال کیا جائے تو یہ دونوں اچھے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6373 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ اس ذہین شخص کی نشانی ہے جو اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جو اس کی ضرورت کے وقت صبر اور مدد کرے یعنی نیک اعمال۔ دوسری طرف جو شخص اپنے مال اور رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے کی اجازت دیتا ہے اسے قرآن پاک میں خسارے میں جانے والا قرار دیا گیا ہے۔ باب 63 المنافقون، آیت 9:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اور جو ایسا کرے گا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

کچھ لوگ غلط طور پر یہ مان سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں، جیسا کہ اس نے انہیں بڑی دولت اور خاندان سے نوازا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر کے ان کی الجھنوں کو دور کر دیا کہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قریب وہی ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔ باب 34 سبا، آیت 37:

’’ اور تمہارا مال یا تمہاری اولاد تمہیں ہمارے مقام سے قریب نہیں کرتی بلکہ وہ ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا‘‘۔

قرآن پاک کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ ان کے مال اور رشتہ دار ان کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ صحیح دل کے ساتھ آخرت تک نہ پہنچیں۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

’’ جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آتا ہے۔"

دل کی صحت کی تعریف بہت لمبی ہے سادہ الفاظ میں یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر خلوص دل سے عمل نہ کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب نہ کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا نہ کریں۔ اسے

کسی کا مال آخرت میں صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتا ہے جب وہ اسے جاری خیراتی منصوبوں پر خرچ کر کے آگے بھیج دیں۔ اس کی تصدیق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے کی ہے۔ یہی حدیث بنی نوع انسان کو بتاتی ہے کہ نیک اولاد اپنے فوت شدہ والدین کی مغفرت کی دعا بھی قبول کی جائے گی۔ بدقسمتی سے، اس دن اور دور میں بہت سے بچے اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرنے کے لیے اپنی وراثت کی تلاش میں اتنے مصروف ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک صالح بچے کی پرورش جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرے اس کا حصول ممکن نہیں ہے اگر والدین اپنی زندگی میں خود عمل صالح انجام نہ دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ اعمال صالحہ سے پرہیز کریں اور امید رکھیں کہ ان کے اس سے نکل جانے کے بعد دوسرے ان کے لیے دعا کریں گے۔ دنیا انسان کو زندہ رہتے ہوئے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور پھر امید ہے کہ دوسرے ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کریں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف وہی دولت جو آگے بھیجے گا ان کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر خرچ کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ان کے بچوں کی تعلیم۔ غلط طریقے سے خرچ کی گئی تمام دولت مالک کے لیے بوجھ بن جائے گی اور ان کی سزا کا باعث بن سکتی ہے۔ لالچ کی وجہ سے صدقہ فطر کو روکنے والوں کو عبرتناک سزاؤں سے ڈرایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اس سنگین گناہ کا مرتکب ہو گا قیامت کے دن اس کا سامنا ایک بہت بڑا زہریلا سانپ ہوگا جو اس کے گرد لپیٹے گا اور اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

" اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

سنن ابوداؤد نمبر 1658 میں ایک حدیث ہے جس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے دن جو سونا اور چاندی ہے اسے جہنم کے شعلوں میں تپایا جائے گا اور اگر اس نے فرض صدقہ نہ کیا تو اس سے ان کے جسموں کو داغ دیا جائے گا۔ اس پر واجب.

میت کی طرف سے پیچھے چھوڑی گئی کوئی بھی دولت دوسروں کے لیے چھوڑ دی جائے گی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوں جب کہ میت اسے جمع کرنے کا ذمہ دار ہے۔ غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ دے جو اس کے رکھنے کے لائق نہ ہو اور اس طرح اس کا غلط استعمال کرے تو اس کے لیے بھی میت کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے برعکس، اگر کوئی اپنے پیچھے مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ جائے جو اسے صحیح طریقے سے خرچ کرتا ہے تو میت کو قیامت کے دن اس وقت بہت زیادہ پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے والے کو ملنے والے اجر عظیم کو دیکھیں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 7420 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا کہ حقیقت میں انسان اپنے مال کو صرف تین طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ پہلا وہ مال ہے جو ان کے کھانے پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا مال وہ ہے جو ان کے کپڑوں پر خرچ ہوتا ہے اور آخری مال وہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ باقی تمام دولت دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے جب کہ اس کو جمع کرنے کا ذمہ دار میت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

مال جمع کرنا اور غلط طریقے سے مال خرچ کرنا انسان کو مادی دنیا سے محبت کرنے اور آخرت کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ وہ اپنی عزیز دولت کو پیچھے چھوڑنے کو ناپسند کرتا ہے، جو اس کے مرنے پر واقع ہوگا۔ جو آخرت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ اگر کوئی سچا تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 92:

”تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔“

درحقیقت دولت ایک عجیب ساتھی ہے کیونکہ یہ کسی کو تب ہی فائدہ پہنچاتی ہے جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے کے بعد اس کے معنی چھوڑ دیتا ہے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر وہ بغیر کسی شرائط کے طویل سفر پر نکلے۔ اسی طرح جو اپنے مال کو آخرت کے طویل سفر کے لیے سامان کی صورت میں آگے نہیں بھیجتا وہ بھی بے وقوف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے وقت انسان کو سب سے بڑا دکھ وہ ہوتا ہے جب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی محنت کی کمائی پیچھے چھوڑ کر خالی ہاتھ آخرت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔

نیک اعمال انجام دینا ہی انسان کی قبر کی تیاری کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ وہاں سکون کی کوئی دوسری چیز نہیں ملے گی۔ درحقیقت یہ آخرت میں اپنے ابدی گھر کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس تیاری کو دنیاوی مادی دنیا کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر اس کے پاس دو گھر ہوں اور وہ اپنی زیادہ تر کوششیں گھر کو خوبصورت بنانے میں صرف کرے جس میں وہ کم وقت صرف کرے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان اس دنیا میں اپنے وقتی گھر کو خوبصورت بنانے میں زیادہ وقت اور محنت صرف کرے۔ آخرت کا ابدی گھر وہ بھی بے وقوف ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ رویہ ہے حالانکہ وہ تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ان کا اس دنیا میں قیام مختصر اور نامعلوم مدت کے لیے ہے جبکہ آخرت میں ان کا قیام ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ رویہ ایمان کے یقین کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس لیے جو بھی اس ذہنیت کا حامل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل کرے تاکہ اس کے ایمان کے یقین کو مضبوط کیا جا سکے اس سے پہلے کہ وہ تمام بھلائیوں سے محروم آخرت تک پہنچ جائے۔

جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی قبر کی تیاری کرتا ہے، وہ اس کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے، جب کہ ان کے جمع کردہ گناہ ہی ان کے لیے باعث رحمت ہوتے ہیں۔ اندھیری قبر میں ان کا قیام بدتر ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کمزوری کا وقت آنے سے پہلے ہی نیک عمل کرے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اصل حدیث میں دی گئی حقیقت کو پہچانے اور اپنے مال کے ساتھ صحیح طریقے سے عمل کرے اس سے پہلے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائے جب عمل صالح کے لیے ان کی مزید مہلت دینے کی درخواست رد کردی جائے گی۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرے گا...

انہیں اب اپنے اعمال پر غور کرنا چاہئے تاکہ وہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لیں اور نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں غور و فکر کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ باب 89 الفجر، آیت 23:

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

ہر ایک ان لوگوں پر غور کرے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ضرورت کے وقت ان کو تسلی دینے کے لئے زیادہ نیک اعمال انجام دینے میں ان کی نااہلی ہے۔ اس وقت کے آنے سے پہلے جلدی کرو اور ناگزیر کی تیاری کرو۔ باب 15 الحجر، آیت 99:

‘‘اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں یقین آجائے۔’’

ایک حتمی مشیر

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کچھ آخری نصیحتیں کیں، جن کا ذکر امام اصفہانی کی، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 59 میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرو۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔
السلام علیکم باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے کسی چیز کو نقصان پہنچے گا۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی

زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ بھی نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے دن میں واجبات مقرر کر رکھے ہیں جو رات کو پورے ہونے پر قبول نہیں کریں گے۔ اور اس نے ایسے فرائض مقرر کر رکھے تھے جو رات کو کیے جائیں، اگر وہ دن میں کیے جائیں تو وہ قبول نہیں کرے گا۔ اور وہ نفلی اعمال کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ فرض اعمال پہلے ادا نہ کیے جائیں۔

یہ نصیحت اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق کرنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی رسومات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان

پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی نصیحت کی کہ قیامت کے دن انسان کا پلہ ان کے حق میں بھاری ہو گا جب وہ اس دنیا میں حق کی پیروی کریں گے، حالانکہ ایسا کرنا ان پر بھاری تھا۔ اور جب ایک شخص اس دنیا میں باطل کی پیروی کرے گا تو اس کے حق میں قیامت کا پیمانہ ہلکا ہو گا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ

انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ نصیحت بھی کی کہ بندے کو خوف اور امید کے درمیان توازن رکھنا چاہیے :جہنم کا خوف اور جنت حاصل کرنے کی امید۔ بندے کو چاہیے کہ ان کی عقیدت کو قیمتی نہ سمجھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے مایوس ہو۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس

کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو انسان کو اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں ہی گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

آخری الفاظ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی درخواست کرنے کے بعد، ان کے آخری الفاظ قرآن پاک کی ایک دعا تھی، جو کتاب اللہ کے ساتھ ان کی عظیم وابستگی کو دوبارہ اجاگر کرتی ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 101:

مجھے مسلمان ہونے پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے‘‘۔’’

پھر آپ 63 سال کی عمر میں اس مادی دنیا سے کوچ کر گئے، اسی عمر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 735-738 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہاں ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

ایک سچی تعریف

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد مدینہ غم میں ڈوب گیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہوا تھا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے درج ذیل تعریف کی" :اے ابوبکر، اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی ساتھی اور دوست تھے۔ آپ اس کے لیے سکون تھے اور جس پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔ اگر اس کے پاس کوئی راز ہوتا تو وہ تمہیں بتاتا۔ اور اگر اسے کسی معاملے میں کسی سے مشورہ کرنا ہو تو وہ آپ سے مشورہ کرے گا۔ آپ اپنی امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے اور آپ ایمان میں سب سے زیادہ مخلص تھے۔ آپ کا ایمان کسی دوسرے شخص سے زیادہ مضبوط تھا، جیسا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ اور آپ دینی علم میں سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام دونوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ تمام لوگوں میں سے آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابی تھے۔ آپ بہترین صفات کے مالک تھے۔ آپ کا ماضی بہترین تھا۔ آپ سب سے اونچے مقام پر ہیں؛ اور تم اس کے سب سے قریب تھے۔ اور آپ تمام لوگوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، جو آپ کی رہنمائی اور اخلاق کے لحاظ سے سب سے زیادہ تھے۔ آپ کا رتبہ ہر کسی سے بلند تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی عزت و تکریم کی اور آپ کو ہر کسی سے زیادہ عزت و تکریم میں رکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی طرف سے، اللہ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ جب لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ زندگی بھر تم اس کی دونوں آنکھیں تھے جن سے اس نے دیکھا اور اس کے کان تھے جن سے اس نے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنی کتاب میں سچا رکھا ہے جب فرمایا:

اور وہ جو حق لے کر آیا اور اس پر ایمان لایا)ابوبکر رضی اللہ عنہ (وہی لوگ صالح ہیں۔ "باب " از زمر، آیت 33- 39

جب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں بخل کرتے تھے تو آپ نے انہیں تسلی دی۔ اور جب لوگ خاموش بیٹھے تو آپ اس کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے، ان ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ مشکل کی گھڑیوں میں آپ واقعی ان کے اچھے اور

نیک ساتھی تھے۔ آپ ان دونوں میں سے دوسرے، غار میں آپ کے ساتھی تھے۔ اور وہ جس پر سکون نازل ہوا:

اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ پہلے ہی اس کی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے انہیں " دو میں سے ایک کی طرح]مکہ سے [نکال دیا تھا، جب وہ غار میں تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی)ابوبکر رضی اللہ عنہ (سے فرمایا :غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اللہ نے اس پر اپنا سکون نازل کیا اور سپاہیوں سے اس کی مدد کی]یعنی فرشتے [جنہیں تم نے نہیں دیکھا تھا "...باب 9 توبہ آیت 40۔

آپ ہجرت)مدینہ منورہ (کے دوران آپ کے ساتھی تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی امت کے بارے میں آپ کے جانشین تھے۔ اور آپ واقعی ایک اچھے جانشین ثابت ہوئے جب لوگ مرتد ہوگئے۔ آپ نے وہ کام کیا جو آپ سے پہلے کسی اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ آپ اس وقت مضبوطی اور بہادری کے ساتھ کھڑے ہوئے جب آپ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنی ہمت کھو بیٹھے اور نرم پڑ گئے۔ اور جب وہ کمزور ہو گئے تو آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کیا۔ آپ واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :آپ کے جسم میں کمزور مگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے حوالے سے مضبوط ہیں۔ اپنے آپ میں عاجزی، لیکن اللہ کے نزدیک آپ کا درجہ بلند ہے۔ لوگوں کی نظروں میں معزز، دلوں میں عزت دار اور عظیم۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی آپ کو ناپسند کرنے، آپ پر شک کرنے یا آپ کو حقیر سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ آپ نے ہمیشہ کمزوروں اور عاجزوں کو مضبوط اور معزز سمجھا، اس بات کو یقینی بنایا کہ آپ نے انہیں وہی دیا جو ان کا حق تھا۔ اور اس سلسلے میں آپ رشتہ داروں اور اجنبیوں سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ تمام لوگوں میں سے آپ ان لوگوں کا احترام کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ فرمانبردار تھے اور جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتے تھے۔ آپ نے اپنے مجموعی کردار میں سچائی اور ہمدردی کو مجسم کیا۔ آپ کی تقریر میں ہمیشہ حکمت اور فیصلہ کن خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ اور آپ نے ہمیشہ نرمی اور مضبوطی کے درمیان ایک عظیم توازن قائم کیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے فیصلے کی بنیاد علم پر رکھی اور ایک بار جب آپ نے اپنے فیصلے کر لیے تو آپ نے ہمیشہ ان پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھا۔ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہماری واپسی ہے۔ ہم اس سے راضی ہیں اور اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ اور اللہ کی قسم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے علاوہ مسلمانوں کو آپ کی وفات سے بڑی مصیبت کبھی نہیں پہنچی۔ آپ ہمیشہ اس دین کے محافظ، حرمت اور عزت کا ذریعہ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں شامل فرمائے اور آپ کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرے اور آپ کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرے۔ اس کی تعریف سن کر

لوگوں نے جواب دیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 736-738 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نتیجہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے عملی طور پر قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے زبانی اعلان ایمان کی تائید کی۔ اس نے اپنی خواہشات کے مطابق احکام کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری طرح سرتسلیم خم کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پوری تندہی سے نافذ کیا اور ہر ممانعت سے پرہیز کیا۔ اس کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا اور اس کے تمام قول و فعل اسی عظیم مقصد کی طرف تھے۔ اس رویے نے اسے روحانی طور پر مادی دنیا سے الگ ہونے کی ترغیب دی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس نے عملی طور پر اس کی تیاری کے لیے اپنی کوششیں وقف کر کے آخرت سے روحانی طور پر وابستہ ہو گئے۔ یہی وہ خصوصیت تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین جماعت بنا دیا۔ اس حقیقت پر امام ابو نعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء والطبقات الاصفیہ، روایت 278 میں گفتگو کی گئی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے آپ کے نقش قدم پر چلیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ وہ بھی دونوں جہانوں میں امن و کامیابی حاصل کریں۔

اس کے علاوہ جب ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات آنے والی نسلوں تک آسانی سے نہیں پہنچی تھیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خون، آنسو، پسینے اور قربانیوں سے ان تک پہنچے۔ بدقسمتی سے، اس حقیقت کو آج کے مسلمان اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں، کیونکہ آج کل اسلام کی تعلیمات بہت آسانی سے دستیاب ہیں۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنے مایوس ہوں گے اگر وہ دیکھ سکتے کہ مسلمانوں کی اکثریت کس طرح اسلام کی تعلیمات کو رد کرتی ہے، حالانکہ وہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اسلام آنے والی نسلوں تک پہنچ سکتا ہے۔ بلا شبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قربانیوں کا صلہ ضرور ملے گا لیکن مسلمانوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ان کے مقروض ہیں۔ یہ اقرار صرف الفاظ میں نہیں بلکہ عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔ اس میں خلوص دل سے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلیم کرنے، عزت کرنے

اور ان سے محبت کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ بغیر عمل کے الفاظ محبت سے زیادہ منافقت کے قریب ہوتے ہیں۔

آخر میں ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہاں ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ کس طرح اس نتیجہ کی خواہش رکھتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ، کردار اور تعلیمات۔ ایک ایسے لوگوں سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جن کو وہ جانتے تک نہیں؟

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی محبت کا ثبوت طلب کیا جائے گا تو وہ قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت ان کی زندگی، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

مکمل آڈیو بکس - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ)رضی اللہ عنہم (کی زندگی:

https://www.youtube.com/playlist?list=PLt1Vizm7rRKaK5Vk9IdVBnpLLolh0dhYG

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: https://shaykhpod.com/books/
eBooks/AudioBooks کے لیے بیک اپ سائٹ:
https://archive.org/details/@shaykhpod

شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf

https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: https://shaykhpod.com/books/#audio
روزانہ بلاگز: https://shaykhpod.com/blogs/
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics/
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts/
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman/
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid /
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/
لائیو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/live/

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe

Achieve Noble Character